شانِ ولی



کاوش: عبدہ المذنب سید کامران عطاری مدنی غفر اللہ لہ ما یجری منہ و ما مضی

فہرست

پیشِ لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ پاک نے بے شمار اشیاء کو تخلیق فرمایا جن میں اکثر تو انسانی دسترس و ادراک سے ماوَرا ہیں۔ ان مخلوقات میں سے انسان کے سر کو اشرف المخلوق کے تاجِ عزت سے سرفراز فرمایا۔ ظاہراً انسان ہونا اور بات ہے لیکن اصلی انسان وہی ہے جسے رب العزت کی دوستی کا شرف میسر ہے، جسے اللہ پاک نے اپنی خلعتِ خلافت سے مزین فرمایا، جسے ہر قسم کے خوف و حزن سے مبرا کر دیا، جسے وہ مقام و مرتبہ میسر ہوا جو کسی عامی کے وہم و گمان سے بلند ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ انسانوں میں اصلی انسان ہونے کا شرف جسے میسر ہے وہ کون ہے اور یہ مرتبۂ عزت کسبی ہے یا وہبی اور اس کے مقام و مرتبے کی کیا حدود ہیں؟

مفسرِ قرآن مفتی محمد قاسم عطاری مدظلہ آیتِ قرآنی: ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(ۚ۶۲)﴾ **ترجمۂ کنزالایمان:** سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم [1] کی تفسیر کرتے ہوئے مندرجہ بالا سوالات کا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

لفظِ "ولی" وِلَاء سے بنا ہے جس کا معنٰی قرب اور نصرت ہے۔ وَلِیُّ اللہ وہ ہے جو فرائض کی ادائیگی سے اللہ پاک کا قرب حاصل کرے اور اللہ پاک کی اطاعت میں مشغول رہے اور اس کا دل اللہ پاک کے نورِ جلال کی معرفت میں مستغرق ہو، جب

1...پ 11، یونس: 62

دیکھے قدرتِ الٰہی کے دلائل کو دیکھے اور جب سنے اللہ پاک کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے ربِّ کریم کی ثنا ہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے، اطاعتِ الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے تو اسی کام میں کوشش کرے جو قربِ الٰہی کا ذریعہ ہو، اللہ پاک کے ذکر سے نہ تھکے اور چشمِ دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔ یہ صفت اَولیاء کی ہے، بندہ جب اس حال پر پہنچتا ہے تو اللہ پاک اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔

وَلِیُّ اللہ کی علامات

علماء نے "وَلِیُّ اللہ" کی کثیر علامات بیان فرمائی ہیں، جیسے متکلمین یعنی علمِ کلام کے ماہر علماء کہتے ہیں: "ولی وہ ہے جو صحیح اور دلیل پر مبنی اعتقاد رکھتا ہو اور شریعت کے مطابق نیک اعمال بجالاتا ہو۔"

بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت قربِ الٰہی اور ہمیشہ اللہ پاک کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے، جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ پاک یاد آئے، یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے۔

ابنِ زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس سے اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ كَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ﴾ یعنی ایمان و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اولیا وہ ہیں جو خالص اللہ پاک کے لئے محبت کریں۔ اَولیاء

کی یہ صفت بکثرت اَحادیث میں ذکر ہوئی ہے۔

بعض بزرگانِ دین نے فرمایا: ولی وہ ہیں جو طاعت یعنی فرمانبرداری سے قربِ الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ پاک کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جن کی ہدایت کا دلیل کے ساتھ اللہ پاک کفیل ہو اور وہ اللہ پاک کا حقِ بندگی ادا کرنے اور اس کی مخلوق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہوگئے۔[2]

صدرُ الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ معانی اور عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتے ہیں، ولایت کے درجے اور مَراتب میں ہر ایک اپنے درجے کے بقدر فضل و شرف رکھتا ہے۔[3]

{لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ: اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔} مفسرین نے اس آیت کے بہت سے معنٰی بیان کئے ہیں، ان میں سے 3 معنٰی درج ذیل ہیں:

(1)... مستقبل میں انہیں عذاب کا خوف نہ ہو گا اور نہ موت کے وقت وہ غمگین ہوں گے۔

(2)... مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز میں مبتلا ہونے کا خوف ہو گا اور نہ ماضی اور حال میں کسی پسندیدہ چیز کے چھوٹنے پر غمگین ہوں گے۔[4]

2...خازن، یونس، تحت الآیۃ:62، 2/322-323

3...خزائن العرفان، یونس، تحت الآیۃ: 62، ص405

4...البحر المحیط، البقرۃ، تحت الآیۃ: 38، 1 / 323۔ جلالین مع صاوی، یونس، تحت الآیۃ: 62، 3 / 880

(3)... قیامت کے دن ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ اس دن یہ غمگین ہوں گے کیونکہ اللہ پاک نے اپنے ولیوں کو دنیا میں ان چیزوں سے محفوظ فرما دیا ہے کہ جو آخرت میں خوف اور غم کا باعث بنتی ہیں۔

ان تین کے علاوہ مزید اَقوال بھی تفاسیر میں مذکور ہیں۔

اولیاءِ کرام کی اَقسام

اولیاءِ کرام کی کثیر اَقسام ہیں جیسا کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک انبیاءِ کرام علیہم السلام زمین کے اَوتاد تھے، جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اللہ پاک نے اُمتِ احمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم میں سے ایک قوم کو اُن کا نائب بنایا جنہیں اَبدال کہتے ہیں، وہ حضرات (فقط) روزہ و نماز اور تسبیح و تقدیس میں کثرت کی وجہ سے لوگوں سے افضل نہیں ہوئے بلکہ اپنے حسنِ اَخلاق، وَرع و تقویٰ کی سچائی، نیت کی اچھائی، تمام مسلمانوں سے اپنے سینے کی سلامتی، اللہ پاک کی رضا کے لیے حلم، صبر اور دانشمندی، بغیر کمزوری کے عاجزی اور تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے افضل ہوئے ہیں۔ پس وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے نائب ہیں۔ وہ ایسی قوم ہیں کہ اللہ پاک نے انہیں اپنی ذاتِ پاک کے لئے منتخب اور اپنے علم اور رضا کے لئے خاص کر لیا ہے۔ وہ 40 صدیق ہیں، جن میں سے 30 اللہ پاک کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین کی مثل ہیں۔ ان کے ذریعے سے اہلِ زمین سے بلائیں اور لوگوں سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں، ان کے ذریعے سے ہی بارش ہوتی اور رزق دیا جاتا ہے، ان میں سے کوئی اُسی وقت فوت ہوتا ہے جب اللہ پاک اس کی جانشینی کیلئے کسی کو پروانہ دے چکا ہوتا ہے۔ وہ کسی پر لعنت

نہیں بھیجتے، اپنے ماتحتوں کو اَذیت نہیں دیتے، اُن پر دست درازی نہیں کرتے، اُنہیں حقیر نہیں جانتے، خود پر فَوقیت رکھنے والوں سے حسد نہیں کرتے، دنیا کی حرص نہیں کرتے، دکھاوے کی خاموشی اختیار نہیں کرتے، تکبر نہیں کرتے اور دکھاوے کی عاجزی بھی نہیں کرتے۔ وہ بات کرنے میں تمام لوگوں سے اچھے اور نفس کے اعتبار سے زیادہ پرہیز گار ہیں، سخاوت ان کی فطرت میں شامل ہے، اَسلاف نے جن (نامناسب) چیزوں کو چھوڑا اُن سے محفوظ رہنا ان کی صفت ہے، اُن کی یہ صفت جدا نہیں ہوتی کہ آج خشیت کی حالت میں ہوں اور کل غفلت میں پڑے ہوں بلکہ وہ اپنے حال پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں، وہ اپنے اور اپنے ربّ کریم کے درمیان ایک خاص تعلق رکھتے ہیں، جہاں تک دوسرے کسی کی رسائی نہیں۔ اُن کے دل اللہ پاک کی رضا اور شوق میں آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں، (پھر یہ آیت تِلاوت فرمائی) ﴿اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[5] **ترجمۂ کنزُالعِرفان:** یہ اللہ کی جماعت ہے، سن لو! اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔[6]

حضرت شریح بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے پاس شام والوں کا ذکر ہوا تو ان سے عرض کی گئی کہ ان پر لعنت کیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”نہیں، میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اَبدال شام میں ہوں گے، وہ حضرات چالیس مرد ہیں، جب ان میں ایک وفات پاتا ہے تو اللہ پاک اس کی جگہ دوسرے کو بدل دیتا ہے، ان کی برکت سے بارشیں

5...پ28، المجادلۃ:22

6...نوادرُ الاصول، 1/ 209، حدیث:301

برستی ہیں، ان کے ذریعے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور ان کی برکت سے شام والوں سے عذاب دور ہوتا ہے۔(7)

اولیاءِ کرام کی اَقسام کے بارے میں اکابر علماء ومحدثین نے بڑا تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب، اَبدال وغیرہما کے وجود پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر مشہور کتاب ”جامع کراماتِ اولیاء“ ضخیم ترین کتاب ہے۔ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی روشنی میں یہاں چند مشہور اَقسام بیان کی جاتی ہیں۔

(1)...اَقطاب

یہ قُطب کی جمع ہے۔ قطب اُسے کہتے ہیں کہ جو خود یا کسی کے نائب کے طور پر حال اور مقام دونوں کا جامع ہو۔

(2)...ائمہ

یہ وہ حضرات ہیں کہ جو قطب کے انتقال کے بعد اس کے خلیفہ بنتے ہیں اور وہ قطب کیلئے وزیر کی طرح ہوتے ہیں۔ ہر زمانے میں ان کی تعداد دو ہوتی ہے۔

(3)...اَوتاد

ہر زمانے میں ان کی تعداد چار ہوتی ہے، اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوتے۔ ان میں سے ایک کے ذریعے اللہ پاک مشرق کی حفاظت فرماتا ہے، دوسرے کے ذریعے مغرب کی، تیسرے کے ذریعے شمال کی اور چوتھے کے ذریعے جنوب کی حفاظت فرماتا

7...مسند امام احمد، 1 / 238، حدیث: 896

ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اپنے حصے میں ولایت ہوتی ہے۔

(4)...اَبدال

ان کی تعداد سات ہوتی ہے، اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوتے، اللہ پاک ان کے ذریعے ساتوں برِّاَعظم کی حفاظت فرماتا ہے، انہیں ابدال اس لئے کہتے ہیں کہ جب یہ کسی جگہ سے کوچ کرتے ہیں اور کسی مَصلحت اور قربت کی وجہ سے اس جگہ اپنا قائم مقام چھوڑنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں ایسے آدمی کو نامزد کرتے ہیں کہ جو ان کا ہم شکل ہو اور جو کوئی بھی اس ہم شکل کو دیکھے تو وہ اسے اصلی شخص ہی سمجھے حالانکہ وہ ایک روحانی شخصیت ہوتا ہے جسے ابدال میں سے کوئی بدل قصداً وہاں ٹھہراتا ہے۔ جن اَولیاء میں یہ قوت ہوتی ہے، انہیں ابدال کہتے ہیں۔

(5)...رِجال الغیب

اَہلُ اللہ کی اِصطلاح میں یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور تجلیاتِ رحمٰن کے غلبے کے سبب آہستہ آواز کے سوا کچھ کلام نہیں کرتے، ہمیشہ اسی حال میں رہتے ہیں، چھپے ہوئے ہوتے ہیں پہچانے نہیں جاتے، اللہ پاک کے سوا کسی سے مُناجات نہیں کرتے اور اس کے سوا کسی کے مشاہدے میں مشغول نہیں ہوتے۔ بعض اوقات اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اور کبھی اس کا اِطلاق نیک اور مومن جنات پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظاہری حواس سے علم اور رزق وغیرہ نہیں لیتے انہیں غیب سے یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں۔[8]

8...جامع کرامات اولیاء، 1 / 69، 74، تفسیر صراط الجنان، 4/344تا348، یونس: تحت الآیہ: 62

اس موضوع پر ہمیں قرآن سے بھی رہنمائی ملتی ہے احادیثِ قدسیہ بھی اس موضوع پر سیر حاصل راہنمائی کرتی ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اپنے فرامینِ عالیہ سے مرتبہ ولایت کی بلندیوں سے روشناس کروایا غرض اسلامی سرمایہ کے تمام مصادر اس عنوان سے ہمیں مکمل آگاہی فراہم کرتے ہیں۔

یہ سب ایک سادہ مسلمان کو یقین دہانی کروانے کے لیے کافی ہے مگر جدید دور کی چکاچوند روشنیوں نے ظاہر بینوں کو اسلام سے متعلقہ بہت سی چیزوں پر سوال اٹھانے اور ان کا انکار کرنے کا جواز فراہم کر دیا ہے تو مسلمانوں کو اسلام کے لبادے میں ملبوس لوگوں کی زبان سے ایمان بالغیب، کرامات، شانِ اولیاء سے انکار کرنے کے دلائل سنائے جا رہے ہیں لہٰذا ہم نے ضروری سمجھا کہ احادیثِ صحیحہ میں جو شانِ اولیاء بیان ہوئی ہے اس کو اردو کے لباس زریں میں لوگوں کی نظروں کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ ایسے جدید شیطانوں کے گمراہی بھرے نعروں (بابے تے شے ای کوئی نہیں) سے بالکل متاثر نہ ہوں اور عقیدۂ صحیحہ پر استقامت کے ساتھ قائم و دائم رہیں۔

دینِ اسلام کی نظر میں اور بارگاہِ الٰہی میں شانِ اولیاء کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ایک مشہور حدیثِ قدسی جو صحیح الاسناد متفق علیہ مجمع علیہ ہے اس کی شرح کرتے ہوئے چند کتبِ احادیث سے مزید احادیث جمع کی گئی ہیں تاکہ اللہ پاک اس دورِ پر فتن میں اپنے پیاروں سے محبت رکھنے پر استقامت دے اور اولیاءِ کرام کے در سے دوری کا درس دینے والوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

جن کتب سے مواد کے حصول میں مدد لی گئی ہے وہ درج ذیل ہیں:

1. الإفصاح عن معاني الصحاح،المؤلف: يحيى بن (هُبَيْرَة بن) محمد بن هبيرة الذهلي الشيبانيّ، أبو المظفر، عون الدين (المتوفى: 560هـ)المحقق: فؤاد عبد المنعم
2. الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري ،المؤلف: محمد بن يوسف بن علي بن سعيد، شمس الدين الكرماني (المتوفى: 786هـ)
3. تحفة الأبرار شرح مصابيح السنة،المؤلف: القاضي ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوي (ت 685هـ)،المحقق: لجنة مختصة بإشراف نور الدين طالب
4. الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري،المؤلف: أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي المتوفى 893 هـ،المحقق: الشيخ أحمد عزو عناية
5. فتح الباري شرح صحيح البخاري،المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (المتوفى: 852هـ)
6. إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري،المؤلف: أحمد بن محمد بن أبى بكر بن عبد الملك القسطلاني القتيبي المصري، أبو العباس، شهاب الدين (المتوفى: 923هـ)
7. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،المؤلف:علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014هـ)
8. مفاتيح الغيب التفسير الكبير،المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ)
9. الأولياء،المؤلف: أبو بكر عبد الله بن محمد بن عبيد بن سفيان بن قيس البغدادي الأموي القرشي المعروف بابن أبي الدنيا (ت 281هـ)،المحقق: محمد السعيد بن بسيوني زغلول
10. كرامات الأولياء للالكائي – من كتاب شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي،المؤلف: أبو القاسم هبة الله بن الحسن بن منصور الطبري الرازي اللالكائي (ت 418 هـ)تحقيق: أحمد بن سعد بن حمدان الغامدي

11. حلية الأولياء وطبقات الأصفياء،المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني (ت 430 هـ)

12. تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم،المؤلف: أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابنْ أبي حاتم (ت 327هـ)المحقق: أسعد محمد الطيب

13. نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، مؤلف: فقیہ اعظم ہند، استاذُ العلماء، شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریفُ الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1420ھ)، فرید بک اسٹال، لاہور

14. مقالاتِ بندیالوی، مؤلف: استاذ العلماء، ملک المدرسین، حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1999ء)، استاذ العلماء اکیڈمی، خوشاب

حدیثِ ولی

عن أبي هريرة، قال رسول الله ـ صلى الله عليه وسلم ـ: (إن الله تعالى قال: من عادى لي وليًا، فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضت عليه، ولا يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه، فإذا أحببته: كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، ولئن سألني لأعطينه، ولئن استعاذني لأعيذنه، وما ترددت عن شيء أنا فاعله، ترددي عن نفس المؤمن يكره الموت، وأنا أكره مساءته.)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک کا فرمان ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی میرا اس سے اعلان جنگ ہے میرا بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب نہیں پاتا جو مجھے فرائض سے زیادہ پیاری ہو اور میرا بندہ نوافل سے ہمیشہ میرا قرب پاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور اسے پناہ دیتا ہوں اور جو کام میں نے کرنا ہوتا ہے اس میں تردد نہیں کرتا جیسے اس مؤمن کی جان نکالنے میں کرتا ہوں جو موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی ناپسندیدگی پسند نہیں کرتا۔(9)

9...بخاری، 4/248، حدیث: 6502

شرح حدیث نمبر:1

علامہ یحیٰ بن ہُبیرہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے تحت لکھتے ہیں:

وولی اللہ عزوجل ھو الذی یتبع شرع اللہ. یعنی اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جو شریعت کا پیروکار ہوتا ہے۔

ومعنی قوله: {من عادی له وليًا} أي: اتخذه عدوًا، ولا أری المعنی إلا أنه عاداه من أجل ولايته الله، فإنه يشير إلی الحذر من إيذاء قلوب أولياء الله عزوجل علی الإطلاق، إلا أنه إذا كانت الأحوال تقتضي نزاعاً بين وليين لله في محاكمة أو خصومة راجعة إلی استخراج حق أو كشف غامض، فإن هذا لا يتناول هذا القول، لكنه قد جری بين أبي بكر وعمر خصومة، وبين العباس وعلي، وبين كثير من الصحابة رضي الله عنهم ما جری، وكلهم كانوا أولياء الله عزوجل، إلا أن هذا يتناول من عادی وليًا لله مع كونه يشير إلی التحذير من إيذاء ولي الله.

(جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی): یعنی اسے اپنا دشمن بنایا۔ میرے خیال میں اس کا معنیٰ یہی ہے کہ اس بندے سے اللہ کا ولی ہونے کی وجہ سے دشمنی رکھے کیونکہ اللہ پاک نے علی الاطلاق اولیاء کے دلوں کو ایذا دینے سے بچنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اِلا یہ کہ جب حالات دو ولیوں کے درمیان کسی ایسے محاکمہ یا خصومت میں نزاع کا تقاضا کریں جو حق کے استخراج یا پوشیدہ بات کو ظاہر کرنے کی طرف راجع ہو تو یہ نزاع اس فرمان کے تحت داخل نہیں کیونکہ ایسا مخاصمہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عباس و حضرت علی اور کثیر صحابہ کے مابین واقع ہوا ہے اور وہ سب

اللہ کے ولی تھے مگر یہ فرمان ولی سے دشمنی رکھنے کے بارے میں ہے اور اس میں ولی اللہ کو ایذا دینے سے بچنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وقوله: {وما تقرب إلی عبدی بشیء أحب إلی مما افترضت علیه}، فإنه یشیر إلی ألا تقدم نافلة علی فریضة، وإنما تسمی النافلة نافلة إذا قضیت الفریضة، وإلا فلا یتناولها اسم نافلة، یدل علی ما ذکرنا.

وقوله: {ولا یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه؛ فإذا أحببته}، لأن التقرب بالنوافل یکون تلو أداء الفرائض، بدلیل أنها ذکرت بعد ذکر الفرائض، یعنی إذا أدام العبد التقرب بالنوافل أفضی ذلك إلی أن یحبه الله.

اور فرمانِ باری تعالیٰ **"میرا بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب نہیں پاتا جو فرائض سے زیادہ پیاری ہو"** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفل فرض سے مقدم نہ کرو نفل کو نفل کہتے ہی تب ہیں جب فرض کی ادائیگی ہو چکی ہو ورنہ تو لفظ نفل اسے شامل ہی نہیں ہو گا۔

(بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے) کیونکہ نوافل سے قرب پانا فرائض کی ادائیگی کے تابع ہے اس دلیل کے سبب کہ نوافل کو فرائض کے بعد ذکر کیا گیا ہے یعنی جب بندہ نوافل سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو یہ بات اسے اس طرف لے جاتی ہے کہ اللہ پاک اس سے محبت فرمانے لگتا ہے۔

ثم قال سبحانه: فإذا أحببته کنت سمعه، وهذا لا أراه إلا أنه علامة، وأنه لمن یکون الله قد أحبه أن یکون هو سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به، ویده

التی یبطش بھا، ورجلہ التی یمشی بھا.

پھر اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔۔۔۔۔۔ میں اس فرمان کو علامت سمجھتا ہوں اور یہ فرمان اس کے لیے ہے جس سے اللہ پاک محبت کرتا ہے وہ اس کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اس کی بصارت بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔

وتصویر ذلك أنه لا یسمع ما لم یأذن الشرع له فی سماعه، ولا یبصر ما لم یأذن الشرع فی إبصاره، ولا یمد یداً إلی ما لم یأذن الشرع له فی مدها إلیه، ولا یسعی برجل إلا فیما أذن الشرع له فی السعی بها إلیه، فهذا هو الأصل، إلا أنه قد یغلب علی عبد ذکر الله حتی یعرف بذلك، فإذا خوطب بغیره لم یکد یسمع لهم، وکذلك فی المبصرات والمتناولات والمسعی إلیها، وتلك طبقة عالیة نسأل الله أن یجعلنا من أهلها.

اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں سنتا جس کے سننے کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو، اور ایسی چیز نہیں دیکھتا جس کو دیکھنے کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو، اور ایسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا جس کی طرف ہاتھ بڑھانے کی شریعت نے اجازت نہ دی ہو، اور وہ پاؤں سے اسی کام کی طرف چلتا ہے جس کی طرف چلنے کی شریعت اجازت دے، یہی اس معاملے کی اصل وبنیاد ہے، مگر یہ کہ کبھی بندے پر ذکر اللہ کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ اسی سے پہچانا جاتا ہے اور جب اس سے ذکر اللہ کے علاوہ کوئی بات کی جائے تو وہ ان کی بات سنتا ہی نہیں اسی طرح جن اشیاء کو دیکھتا، پکڑتا اور جن کی طرف چل کر جاتا ہے سب میں یہی حال ہوتا ہے اور یہ اولیاء کا بلند طبقہ ہے ہم

اللہ پاک سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ان میں شامل فرمالے۔

وقوله: {لئن سألني لأعطينه}، يدل على أن العبد إذا صار من أهل حب الله سبحانه وتعالى لم يمتنع عن أن يسأل ربه حوائجه، ولا أن يستعيذ به مما يخافه، وقد كان الله عزوجل قادراً على أن يعطيه قبل أن يسأل، وأن يعيذه قبل أن يستعيذه، ولكن جل جلاله متعرف إلى عباده بإعطاء السائلين، وإعادة المستعيذين، فكان سؤال هذا العبد محبباً إلى ربه في عبادة منه له.

(اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اسے عطا فرماتا ہوں) یہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے جب بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے تو وہ اپنی حاجات اپنے رب سے مانگنے سے رک نہیں جاتا، اور جس بات سے خوفزدہ ہو اس سے اللہ کی پناہ مانگنے سے بھی رکتا نہیں ہے حالانکہ اللہ پاک اسے سوال سے پہلے عطا کرنے اور پناہ مانگنے سے پہلے پناہ دینے پر قادر ہے لیکن اللہ پاک اپنے بندوں کے ہاں مانگنے والوں کو عطا فرمانے اور پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینے سے متعارف ہے تو اس بندے کا اللہ پاک سے سوال کرنا اپنے رب کی عبادت کے معاملے میں اسے مزید مستعد کر دیتا ہے۔

وقوله: {ما ترددت عن شيء أنا فاعله ما ترددت عن نفس المؤمن}، فإن المعنى فيه على ما أراه: أن المؤمنين لا يكرهون الموت إلا لنقلهم من الخدمة إلى النعمة، فيرون أنهم لم يقضوا نهمهم من عبادة الله ولا من خدمته سبحانه في أرضه، فإذا نقلوا إلى مقر الراحة وموطن الإباحة ومحل النعم، لم يكونوا إلى ذلك مشتاقين ولا عليه متهافتين.

میری رائے میں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مومنین موت کو صرف اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ کیونکہ وہ بندگی سے نعمت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ رب کی زمین میں اس کی بندگی اور عبادت کی آرزو پوری نہیں کر پائے ہوتے تو جب وہ راحت و آرام اور نعمتوں کے مقام کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو اس مقام کے مشتاق و خواہشمند نہیں ہوتے۔

وأما قوله: {ما ترددت فی شیء}، قیل فیه أوجه إنه تردید الله عزوجل الملائکة إلی عبده وتواریهم له عند قبض روحه؛ احتفالاً به وتعظیماً، کما رد الله الملائکة إلی إبراهیم وموسی ونبینا ـ صلی الله علیه وسلم.

(ما ترددت فی شیء)

اس کے کئی معنیٰ بیان کئے گئے ہیں: اللہ پاک کا تکریماً اپنے بندے کی طرف فرشتوں کو دوبارہ بھیجنا اور روح قبض کرتے وقت فرشتوں کو بندے سے پوشیدہ رکھنا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہما السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی بارگاہ میں (روح قبض کرنے کے لئے) فرشتوں کو دوبارہ بھیجا۔[10]

شرح حدیث نمبر:2

شمس الدین علامہ محمد بن یوسف الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(آذنته) أی أعلمته بالحرب و (المراد لازمه) أی أعمل به ما یعمله العدو المحارب من الإیذاء ونحوه و (أحب) برفع الباء ونصبه.

---

10 ...الافصاح عن معانی الصحاح، جزء:7 ص303 تا306

(آذنته) میں اس سے جنگ کرتا ہوں اور جنگ سے اس کا لازم معنیٰ مراد ہے یعنی میں اس سے جنگی دشمن جیسا سلوک کرتا ہوں یعنی ایذا وغیرہ پہنچانا (احب) ب پر زبر اور زیر دونوں طرح ہے۔

و (يبطش) بالكسر والضم. فإن قلت المحبة المترتبة على النوافل المستعقبة بسائر الكمالات المذكورة بعدها تشعر بأنها أفضل وأقبل من الفرائض قلت حاشا بل ما تقرب عبد إلى الله تعالى بأحب من الفرائض كما صرح به أولا فالمراد من النوافل ما كانت حاوية للفرائض مشتملة عليها مكملة لها وحاصله أن تلك الكمالات ببركتهما جميعا أصلا وتابعا، فإن قلت كيف يكون الله يسمعه، قلت قال الخطابي: هذه أمثال والمعنى والله أعلم توفيقه في الأعمال التي باشرها بهذه الأعضاء وتيسر المحبة له فيها بأن يحفظ جوارحه عليه ويعصمه من مواقعة ما يكره الله تعالى من إصغاء إلى اللهو مثلا ومن نظر إلى ما نهى عنه ومن بطش مما لا يحل له ومن سعى في الباطل برجله أو بأن يشرع في إجابة الدعاء والإلحاح في الطلب وذلك أن مساعي الإنسان إنما تكون بهذه الجوارح الأربعة وكذلك التردد أيضا مثل لأنه محال على الله تعالى ويؤول أيضا بوجهين أحدهما أن العبد قد يشرف في أيام عمره على المهالك فيدعو الله تعالى فيشفيه منها ويدفع مكروهها عنه فتكون ذلك فعله كتردد من يريد أمرا ثم يبدو له في ذلك فيتركه ويعرض عنه ولا بد له من لقائه إذا بلغ الكتاب أجله وهذا معنى أن الدعاء يرد البلاء والثاني ما رددت رسلي في شيء أنا فاعله ترديدي إياهم في نفس المؤمن كما روي من قصة موسى عليه السلام وما كان من لطمه عين ملك الموت وتردده إليه مرة بعد أخرى وحقيقة المعنى في الوجهين

لطف الله تعالى بالعبد وشفقته وعطفه عليه أقول وقيل ههنا وجه ثالث وهو أن يقبض روح المؤمن بالتأني والتدريج بخلاف سائر الأمور فإنها تحصل بمجرد قول كن سريعا دفعة واحدة.

"یبطش" ط پر پیش اور زیر دونوں طرح ہے

اگر تم کہو کہ بقیہ کمالات مذکورہ کے بعد نوافل پر مرتب ہونے والی محبت تو یہ بتاتی ہے کہ نوافل فرائض سے افضل اور زیادہ مقبول ہیں!

تو میں کہوں گا کہ ہر گز نہیں بلکہ بندہ جس عمل سے بھی اللہ کا قرب پاتا ہے ان میں فرائض سے زیادہ محبوب کوئی عمل نہیں جیسا کہ حدیثِ پاک کے شروع میں اس کی صراحت موجود ہے۔

پھر نوافل سے وہ نوافل مراد ہیں جو فرائض پر مشتمل اور ان کو کامل کرنے والے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ یہ تمام برکات فرائض و نوافل دونوں کی برکت سے ہیں فرائض اصل اور نوافل تابع ہیں۔

اگر تم کہو کہ اللہ ولی کے کان کیسے بن سکتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں: علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مثالیں ہیں اور اس کا معنیٰ ہے کہ اللہ پاک اسے اعمال کی توفیق دیتا ہے جو وہ ان اعضاء سے کرتا ہے اور ان اعمال کے سبب اسے اللہ کی محبت میسر ہوتی ہے اس طرح کہ اللہ پاک اس کے اعضاء کی حفاظت فرماتا اور اسے اپنی ناپسندیدہ باتوں میں پڑنے سے بچاتا ہے مثلاً ممنوع چیزوں کو دیکھنا، غیر حلال کو پکڑنا اور پاؤں سے باطل کی طرف چلنا یا اس کی دعا کی مقبولیت اور طلب میں آہ وزاری شروع ہو جاتی

ہے۔ اور ان چار اعضاء کا ذکر اس لئے ہے کہ انسان انہی چاروں اعضاء سے کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح تردد بھی ایک مثال ہے کیونکہ اللہ پاک کا تردد کرنا محال ہے اس کی بھی دو تاویلیں کی گئی ہیں (1): کبھی بندہ اپنے ایامِ زندگی میں ہلاکتوں کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے پھر اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ پاک اسے ان ہلاکتوں سے نجات عطا فرما دیتا ہے اور ناپسندیدہ چیزوں کو اس سے دور فرما دیتا ہے تو اس کا ایسا کرنا اس شخص کے تردد کی طرح ہے جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اس کے متعلق کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو وہ اس کا ارادہ ترک کر دیتا اور اس سے اعراض کرلیتا ہے لیکن جب تقدیر کا لکھا وقت آجائے تو اس معاملے کا سامنا کرنا ضروری ہے۔ یہی معنیٰ ہے اس حدیث کا کہ دعا بلاء کو رد کر دیتی ہے۔ (2): جس کام کو میں کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے فرشتوں کو اس طرح بار بار نہیں بھیجتا جیسے مومن کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجتا ہوں جیسا کہ (جب ملک الموت علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے پاس ان کی روح نکالنے آئے تو) موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ پر تھپڑ مارنے اور ان کا دوبارہ موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا قصہ مروی ہے۔ دونوں صورتوں میں حقیقی معنیٰ اللہ پاک کا بندے پر لطف و کرم و مہربانی کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں یہاں ایک تیسرا معنیٰ بھی بیان کیا گیا کہ بندہ مومن کی روح بقیہ امور کے برخلاف بتدریج و آرام سے نکالی جاتی ہے جبکہ بقیہ امور کُنْ کہنے سے ایک ہی دفعہ فوراً ہو جاتے ہیں۔

قوله (مساءته) أي حياته لأن بالموت يبلغ إلى النعيم المقيم لا في الحياة أو لأن حياته تؤدي إلى أرذل العمر وتنكيس الخلق والرد إلى أسفل سافلين أو أكره

مکروهه الذی هو الموت فلا أسرع بقبض روحه فأکون کالمتردد.

(مساءته) یعنی میں اس کا زندہ رہنا پسند نہیں کرتا کیونکہ موت کے ذریعے وہ ہمیشہ کی نعمتوں تک پہنچے گا نہ کہ زندگی میں، یا اس کی زندگی کو اس لئے ناپسند کرتا ہوں کہ مزید زندگی اسے نکمی عمر، اعضاء کی کمزوری اور کم سے کم ترین حالت تک پہنچا دے گی یا یہ مطلب ہے کہ میں مومن کی ناپسندیدہ شے "موت" اسے دینا پسند نہیں کرتا اس لئے اس کی روح قبض کرنے میں جلدی نہیں فرماتا تو اس کے ساتھ متردد شخص جیسا معاملہ فرماتا ہوں۔(11)

شرح حدیث نمبر:3

ناصر الدین امام عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں:

أفضل ما یتقرب به العبد إلى الله تعالى هی الفرائض التی افترضها علیه وناهیك بفضلها المعاتبة على ترکها، والمعاقبة بالإخلال بها، وإن العبد لا یزال یتقرب إلى الله بأنواع الطاعات، وأصناف الریاضات، ویترقی من مقام إلى آخر أعلى منه، حتى یحبه الله سبحانه، فیجعله مستغرقا بملاحظة جناب قدسه، بحیث ما لاحظ شیئا إلا لاحظ ربه، فما التفت لفت حاس ومحسوس، وصانع ومصنوع، وفاعل ومفعول، إلا رأى الله، وهو آخر درجات السالکین، وأول درجات الواصلین، فیکون بهذا الاعتبار سمعه وبصره. وقیل: معناه: فأحفظ حواسه وجوارحه وأراقبها، حتى

11...الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری، جزء:23، ص6117

لایستعملها إلا فیما أحبه و أرتضیه، فینقلع عن الشهوات، ویستغرق فی الطاعات.

سب سے افضل چیز جس کے ذریعے بندہ اللہ پاک کا قرب پاتا ہے وہ فرائض ہیں جو اللہ نے بندے پر فرض کئے ہیں اور تجھے ان کی فضلیت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ ان کے ترک پر عتاب ہے اور ان میں کمی پر عقاب ہے۔ بلاشبہ بندہ کئی قسم کی نیکیوں اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعے اللہ کا قرب پاتا رہتا ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف جو پہلے سے اعلیٰ ہوتا ہے ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ پاک اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے اور اسے اپنی پاک ذات کو پیش نظر رکھنے میں مستغرق کر دیتا ہے تو وہ جس شے کو بھی دیکھتا ہے اس میں رب کی شانوں کا نظارہ ہی کرتا ہے تو وہ جس بھی حاس و محسوس، صانع و مصنوع، فاعل و مفعول کی طرف نظر کرتا ہے تو اللہ پاک (کی قدرت کا) ہی کا نظارہ کرتا ہے اور یہ راہِ سلوک پر چلنے والوں کے درجات میں آخری اور واصلین کے درجات میں پہلا درجہ ہے تو اس اعتبار سے اللہ اس کے کان و آنکھ ہو جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ میں اس کے حواس و اعضاء کی حفاظت و نگہبانی فرماتا ہوں یہاں تک کہ وہ ان اعضاء و حواس کو صرف ان کاموں میں استعمال کرتا ہے جو مجھے محبوب و پسند ہوں تو وہ خواہشاتِ نفس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور فرمانبرداری میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

قوله: ''وما ترددت فی شیء أنا فاعله'' أی: ما أخرت وما توقفت توقف المتردد فی أمر أنا فاعله إلا فی قبض نفس عبدی المؤمن، أتوقف فیه حتی یسهل علیه، ویمیل قلبه إلیه، شوقا إلی أن ینخرط فی سلك المقربین، ویتبوأ فی أعلی علیین.

قوله: (وما ترددت فی شیء أنا فاعله) یعنی میں نے جو کام کرنا ہوتا ہے اسے مؤخر نہیں کرتا اور نہ اس میں متردد کے توقف کی طرح توقف کرتا ہوں مگر اپنے مومن بندے

کی روح قبض کرنے میں اس وقت تک توقف فرماتا ہوں کہ مقربین کے سلسلے میں داخل ہونے اور اعلیٰ علیین میں مقام پانے کے شوق سے موت اس پر آسان ہو جائے اور اس کا دل موت کی طرف مائل ہو جائے۔

و(التردد): تعارض الرأيين، وترادف الخاطرين، وهو وإن كان محالا فی حقه تعالى، إلا أنه أسند إليه باعتبار غايته ومنتهاه الذی هو التوقف والتأنی فی الأمر، وكذلك سائر ما يسند إلى الله تعالى من الغضب والمكر ونحو ذلك.

(التردد) تردد دو رائے کے ٹکراؤ اور دل میں آگے پیچھے آنے والے دو خیالوں کو کہتے ہیں اور تردد کا یہ معنیٰ اگرچہ اللہ پاک کے حق میں ناممکن ہے مگر اللہ پاک کی طرف اس کی نسبت غایت و انتہاء کے اعتبار سے کی گئی ہے یعنی کسی کام کو آرام سے آہستہ آہستہ کرنا اسی طرح اللہ پاک کی طرف غضب اور مکر وغیرہ کی جو نسبت کی جاتی ہے اس سے ان کی غایت و انتہاء مراد ہوتی ہے۔(12)

شرح حدیث نمبر:4

امام احمد بن اسماعیل کورانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات:893ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولا يخفى ما فيه من التهديد العظيم. والمراد بمعاداته الإيذاء كما وقع فی رواية أحمد: ”من آذى لی وليًا“ وفی أخرى ”من أذلّ وليًّا“ فسقط السؤال بأن المعاداة لا تكون إلّا من طرفين والولی لا يعادی أحدًا. على أن هذا عليه منعٌ ظاهرٌ. فإن الولی

12... تحفۃ الابرار شرح مصابیح السنۃ، جزء:17، ص457

يعادي أعداء الله ورسوله.

فإن قلت: من الولي؟ قلت: عرفهم الله في كتابه. قال تعالى: ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۲) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۶۳)﴾[13] فإن قلت: كيف دلَّ على الترجمة؟

قلت: وجه الدلالة ظاهر فإن إيذاء الولي إذا كان بهذه المثابة فالتواضع يكون تقربًا إلى الله بخفض الجناح لوليّه.

اس روایت میں جو تہدیدِ عظیم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ولی سے دشمنی کرنے کا مطلب اس کو ایذا دینا ہے جیسا کہ مسند احمد کی روایت ان الفاظ سے مروی ہے: ”جس نے میرے کسی ولی کو ایذا دی“ اور دوسری روایت میں ہے: ”جس نے میرے کسی ولی کی اہانت کی“ پس یہ سوال ہی ساقط ہو گیا کہ معاداۃ کا معنیٰ دوطرفہ دشمنی ہوتا ہے اور ولی تو کسی سے دشمنی رکھتا ہی نہیں، نیز یہ کہنا درست نہیں کہ ولی کسی سے دشمنی نہیں رکھتا بلکہ ولی اللہ ورسول کے دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہے۔

اگر تم پوچھو کہ ولی کون ہے؟ تو میں کہوں گا: اللہ پاک نے قرآن مجید میں اولیاء کی تعریف بیان کی ہے کہ ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۲) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (۶۳)﴾ (ترجمہ کنزُالعِرفان: سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔)

اگر تم پوچھو کہ یہ حدیثِ پاک ترجمۃ الباب سے کیسے مطابقت رکھتی ہے؟ تو میں

13...پ 11، یونس: 62، 63

کہوں گا اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ولی کو ایذا دینے کا یہ انجام ہے تو ولی کے لئے نرمی کا بازو بچھا کر تواضع کرنا اللہ پاک کے قرب کا ذریعے ہے۔

(وما تقرّب إليَّ عبدی بشیء أحب إليّ ممّا افترضته علیه، وما یزال عبدی یتقرّب إليَّ بالنوافل) أی: بعد أداء الفرائض.

فإن قلت: إذا کان أداء الفرائض أحب إلی الله تعالی فکان الظاهر أن یکون سببًا لمحبته تعالی دون النوافل قلت: أُجیبَ عن ذلك بأن النوافل حاویة لفرائضها ومشتملة علیها.وفیه نظر؛ لأن الفرائض فی قوله:"افترضته علیه" هو المقابل للنافلة، والصواب فی الجواب: أن المحبة قابلة للشدة والضعف. معلوم عند کل أحدٍ.والمراد بالمحبة فی قوله: (حتی أحبه) کمال المحبة دلّ علیه ما بعده، ونظیره: من کان علیه دینٌ فأدّاه. لیس فی جلب المودة مثل ما یُهدی کل یوم مقدارًا تبرُّعًا.

(وما تقرّب إليَّ عبدی بشیء أحب إليّ ممّا افترضته علیه، وما یزال عبدی یتقرّب إليَّ بالنوافل) یعنی فرائض کی ادائیگی کے بعد (نوافل ادا کرنا قرب کا ذریعہ ہے)

اگر تم کہو کہ جب فرائض کی ادائیگی اللہ پاک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب عمل ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ فرائض ہی اللہ پاک کی محبت کا سبب ہیں نہ کہ نوافل؟ تو میں کہتا ہوں: اس سوال کا ایک جواب دیا گیا ہے کہ نوافل سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرائض کو شامل اور مکمل کرنے والے ہیں۔

اس جواب میں نظر ہے کیونکہ حدیثِ پاک میں فرائض نوافل کے مقابل ہیں تو مذکورہ سوال کا درست جواب یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ محبت شدت وضعف کو قبول کرتی ہے تو (حتی احبہ) سے کمال محبت مراد ہے جس پر بعد والے الفاظ دال

ہیں اور اس بات کی نظیر یہ ہے کہ کسی شخص پر قرض ہو تو حصولِ محبت میں فقط قرض کی ادائیگی، روزانہ کچھ نہ کچھ تحفہ بھیجنے کے مثل نہیں ہے۔

(فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به) اعلم أن الله تعالى أجلُّ وأعلى من أن يكون سمعًا لمخلوق أو بصرًا ولا في شيء، أو محلًا له أو متحدًا به، أو مباينًا عنه، جلَّ جنابُ قُدْسِه عن ذلك، وإنما هذا الكلام على طريق المثل وذلك أن من أفرط في حبِّ شيء لا يشاهده إلَّا معناه، ولا يجول في خاطر ولا يصغي إلَّا في حديثه وقس على هذا سائر الحركات والجوارح. وهذا مقام شريف يُعبَّر عنه بالفناء في التوحيد، وإليه يشير قدوة المشايخ أبو صالح عبد القادر الكيلاني في قوله:

وناظر في سوى مرآك حق له   يفيض من جفنيه بالدمع وهو دم

والسمع إن جال فيه من تحدثه   سوى حديثك أمسى وقره صمم

وقد يعبر بالحمد الحقيقي، فإنهم قالوا: هو صرف العبد ما أنعم الله عليه إلى ما خُلق له فلا تكون حركاته وسكناته إلَّا في طاعة الله. ولولا خوف الإطالة رخينا عنان العلم، ولكن هذا كافٍ لمن ينظر بنور الله.

(فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به) خوب جان لو کہ اللہ پاک مخلوق کے کان اور آنکھ بننے اور کسی شے میں ہونے، یا اس کا محل بننے یا اس کے ساتھ متحد یا اس سے مبائن ہونے سے پاک اور بلند و بالا ہے وہ پاک ذات ان باتوں سے پاک ہے۔ یہ فرمان فقط بطریقِ مثال ہے وہ اس طرح کہ جب کوئی کسی شے سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے تو اسے فقط وہی نظر آتا ہے اور اسے فقط محبوب کا ہی خیال ہوتا اور وہ صرف اسی کی بات توجہ سے سنتا ہے اور اسی پر بقیہ حرکات اور اعضاء کو قیاس کر لو اور یہ بڑا اشرف والا

مقام ہے جسے فنا فی التوحید سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کی طرف شیخ ابو صالح عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے فرمایا:

وناظر فی سوی مرآك حق له   یفیض من جفنیه بالدمع وهو دم

والسمع إن جال فیه من تحدثه   سوی حدیثك أمسی وقره صمم

(تیرے سوا کسی کو دیکھنے والی آنکھ کو اتنے آنسو بہانے چاہئیں کہ وہ خون بن جائیں، اور کان اگر کسی دوسرے کی گفتگو سنیں تو انہیں بہرہ ہو جانا چاہیے۔)

کبھی اس کو حقیقی حمد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: حقیقی حمد بندے کا اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو ان کے مقصد میں صَرف کرنا ہے تو پھر اس کی تمام حرکات وسکنات اللہ کی اطاعت ہی ہوں گی، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم علم کی لگام کو ڈھیلا چھوڑتے مگر جو نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے اس کے لئے اتنا کافی ہے۔

(وما ترددت فی شیء أنا فاعله تردُّدی فی نفس المؤمن یکره الموت وأنا کره مساءته) هذا کلام علی طریق المثل یدل علی کرامة المؤمن عند الله تعالی. شبَّه حاله فی قبض المؤمن بحال من یرید إخراج شیء من ید محبوبه وهو لا یرید ذلك فلا یزال یلاطفه حتی یظفر به. قال بعض الشارحین: معنی قوله: "أکره مساءته" أنها هنا له فی الدنیا فإنه بالموت یصل إلی النعیم المقیم وأنه بطول الحیاة یصل إلی أرذل العمر. وهذا الذی قاله شیء ولم یخطر بخاطر أحد. والصواب ما أشرنا إلیه وفی معناه حدیث عائشة لمّا قال رسول الله ـ صلی الله علیه وسلم ـ: "من أحبَّ لقاء الله أحبَّ الله لقاءه" قالت: إنا نکره الموت.

(وما ترددت فی شیء أنا فاعله تردُّدی فی نفس المؤمن یکره الموت وأنا کره

مساءته) یہ کلام بھی مثال کے طریقے پر ہے جو مومن کا اللہ پاک کی بارگاہ میں مقام بتارہاہے۔ مومن کی روح قبض کرنے کے حال کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی ہے جو اپنے محبوب کے قبضے سے کوئی چیز نکالنا چاہتا ہو اور محبوب اسے نکالنا نہ چاہتا ہو تو محب محبوب پر شفقت کرتا رہے یہاں تک کہ محبوب کے قبضے سے وہ شے نکالنے میں کامیاب ہو جائے۔ بعض شارحین نے "اکرہ مساءته" کا یہ معنٰی بیان کیاہے کہ میں اسے دنیا میں رنجیدہ کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ موت کے سبب وہ ہمیشہ کی نعمتوں کی طرف چلا جائے گا اور زیادہ عرصہ زندہ رہنے سے نکمی عمر تک پہنچ جائے گا اور یہ ایسا معنٰی ہے جس کا خیال کسی کے دل میں نہیں آیا، اور درست معنٰی وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیاہے اور اسی معنٰی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتاہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: حالانکہ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔[14]

شرح حدیث نمبر:5

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:852ھ) اس حدیث شریف کے تحت لکھتے ہیں:

قوله (من عادى لى وليا) المراد بولى الله العالم بالله المواظب على طاعته المخلص فى عبادته وقد استشكل وجود أحد يعاديه لأن المعاداة إنما تقع من الجانبين ومن

14...الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، 10 / 174، تحت الحدیث:6502

شأن الولی الحلم والصفح عمن یجهل علیه وأجیب بأن المعاداة لم تنحصر فی الخصومة والمعاملة الدنیویة مثلا بل قد تقع عن بغض ینشأ عن التعصب کالرافضی فی بغضه لأبی بکر والمبتدع فی بغضه للسنی فتقع المعاداة من الجانبین أما من جانب الولی فلله تعالی وفی الله وأما من جانب الآخر فلما تقدم وکذا الفاسق المتجاهر یبغضه الولی فی الله وببغضه الآخر لإنکاره علیه وملازمته لنهیه عن شهواته وقد تطلق المعاداة ویراد بها الوقوع من أحد الجانبین بالفعل ومن الآخر بالقوة.

قولہ (من عادی لی ولیا) ولی سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ پاک کی معرفت رکھنے والا، اس کی اطاعت پر پابندی اختیار کرنے والا، اور عبادت میں مخلص ہو۔ معاودت کا لفظ دو طرفہ دشمنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ولی تو بردبار، جاہلانہ سلوک کرنے والے سے درگزر کرنے والا ہوتا ہے اس لئے لفظ معاودت پر اشکال پیش کیا گیا کہ معاودت یک طرفہ کیسے ہوسکتی ہے؟ تو اس کا جواب یوں دیا گیا کہ معاودت صرف دنیاوی خصومت و معاملات میں ہی منحصر نہیں ہے بلکہ کبھی اس بغض کی وجہ سے ہوجاتی ہے جو تعصب سے پیدا ہوا ہو، جیسے رافضی کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا، اور بدعتی کا سنی سے بغض رکھنا تو پھر دونوں طرف سے دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔ وَلیُّ اللہ تو اللہ کی رضا کے لئے دشمنی رکھتا ہے اور دوسری جانب کی دشمنی اس سبب سے ہوتی ہے جو ماقبل میں بیان ہوچکا۔ اسی طرح اعلانیہ فاسق کی حالت ہے کہ وَلیُّ اللہ تو اللہ کی رضا کے لئے اس سے دشمنی رکھتا ہے اور وہ ولی اللہ سے اس لئے دشمنی رکھتا ہے کہ وہ اسے فسق سے روکتے ہیں اور خواہشاتِ نفس کی پیروی سے ہمیشہ منع کرتے ہیں۔ بعض اوقات معاودت

کا اطلاق یوں بھی کیا جاتا ہے کہ ایک طرف سے بالفعل اور دوسری جانب سے بالقوہ دشمنی مراد ہوتی ہے۔

وتعقبه الفاكهاني بأن معاداة الولي لكونه وليا لا يفهم إلا إن كان على طريق الحسد الذي هو تمني زوال ولايته وهو بعيد جدا في حق الولي فتأمله قلت والذي قدمته أولى أن يعتمد قال ابن هبيرة ويستفاد من هذا الحديث تقديم الإعذار على الإنذار وهو واضح.

وقد استشكل وقوع المحاربة وهي مفاعلة من الجانبين مع أن المخلوق في أسر الخالق والجواب أنه من المخاطبة بما يفهم فإن الحرب تنشأ عن العداوة والعداوة تنشأ عن المخالفة وغاية الحرب الهلاك والله لا يغلبه غالب فكأن المعنى فقد تعرض لإهلاكي إياه فأطلق الحرب وأراد لازمه أي أعمل به ما يعمله العدو المحارب.

فاکہانی نے ان کا تعاقب کیا کہ ولی سے ولی ہونے کی وجہ سے دشمنی کرنے کا کوئی مفہوم نہیں مگر یہ کہ حسد کے طریقے پر ہو کہ اس سے ولایت زائل ہونے کی تمنا ہو اور یہ ولی کے حق میں بہت بعید ہے تو اس میں غور کرو، میں کہتا ہوں: میری پہلے ذکر کردہ بات پر اعتماد زیادہ بہتر ہے۔ ابنِ ہبیرہ نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعذار کو انذار سے مقدم کرنا چاہیے اور یہ واضح بات ہے۔

لفظِ محاربہ پر اشکال وارد کیا گیا کہ محاربہ مفاعلہ باب سے ہے جو دوطرفہ جنگ پر بولا جاتا ہے جبکہ مخلوق خالق کے قبضے میں ہے تو بھلا مخلوق خالق سے کیسے جنگ کر سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سمجھانے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جنگ دشمنی کی وجہ سے ہوتی ہے اور دشمنی مخالفت سے پیدا ہوتی ہے اور جنگ کی انتہاء

ہلاکت ہے اور اللہ پر تو کوئی غالب آ نہیں سکتا تو گویا اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ ولی سے دشمنی کرنے والے شخص نے اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر دیا کہ میں اس کو ہلاک کر دوں۔ تو اللہ پاک نے جنگ کا لفظ ارشاد فرمایا اور اس کا لازم معنیٰ مراد لیا یعنی میں اس کے ساتھ جنگ لڑنے والے دشمن جیسا معاملہ کروں گا۔

قال الفاکھانی فی ھذا تھدید شدید لأن من حاربه الله أھلکه وھو من المجاز البلیغ لأن من کرہ من أحب الله خالف الله ومن خالف الله عاندہ ومن عاندہ أھلکه وإذا ثبت ھذا فی جانب المعاداۃ ثبت فی جانب الموالاۃ فمن والی أولیاء الله أکرمه الله وقال الطوفی لما کان ولی الله من تولی الله بالطاعة والتقوی تولاہ الله بالحفظ والنصرۃ وقد أجری الله العادۃ بأن عدو العدو صدیق وصدیق العدو عدو فعدو ولی الله عدو الله فمن عاداہ کان کمن حاربه ومن حاربه فکأنما حارب الله.

فاکہانی فرماتے ہیں: اس میں شدید تہدید ہے کیونکہ جس سے اللہ پاک جنگ کرے اسے ہلاک فرما دے گا اور یہ مجاز بلیغ سے ہے کیونکہ جو اسے ناپسند کرے جسے اللہ محبوب رکھتا ہے تو وہ اللہ کا مخالف ہے اور جو اللہ کا مخالف ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اور جو اللہ سے دشمنی کرے تو اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ جب اللہ کے ولی سے دشمنی کا یہ حال ثابت ہو گیا تو دوستی کا حال بھی ثابت ہو گیا کہ جو اولیاء اللہ سے دوستی کرے گا اللہ پاک اس کا اکرام فرمائے گا۔ امام نجم الدین سلیمان طوفی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 716ھ) فرماتے ہیں: جب ولی، اللہ پاک کی اطاعت و پرہیز گاری کا لحاظ کرتا ہے تو اللہ پاک بھی اس کی مدد و نصرت فرماتا ہے۔ اللہ پاک نے یہ عادت جاری فرمائی ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہے اور دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے تو ولی اللہ کا دشمن اللہ کا

دشمن ہے تو ولی اللہ سے دشمنی رکھنے والے ان سے جنگ کرنے والے کی طرح ہیں اور جو ان سے جنگ کرتا ہے گویا وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔

قوله وما تقرب إلى عبدى بشىء أحب إلى مما افترضت عليه يجوز فى أحب الرفع والنصب ويدخل تحت هذا اللفظ جميع فرائض العين والكفاية وظاهره الاختصاص بما ابتدأ الله فرضيته وفى دخول ماأوجبه المكلف على نفسه نظر للتقييد بقوله افترضت عليه إلاإن أخذ من جهة المعنى الأعم ويستفاد منه أن أداء الفرائض أحب الأعمال إلى الله.

(قوله وما تقرب إلى عبدى بشىء أحب إلى مما افترضت عليه يجوز فى أحب الرفع والنصب)

حدیث کے الفاظ: اور میرا بندہ کسی ایسے عمل سے میری نزدیکی حاصل نہیں کرتا جو میرے فرض کردہ عمل سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ "احب" میں "با" پر زبر اور پیش دونوں اعراب درست ہیں۔ اس فرمان میں تمام فرائض چاہے فرض عین ہوں یا کفایہ سب داخل ہیں، اور یہ فرمان ان فرائض سے مختص ہے جو اللہ پاک نے بندے پر ابتداء فرض کئے ہیں اور جو بندہ خود اپنے اوپر فرض کرے ان کے مراد ہونے میں نظر ہے کیونکہ اس میں "افترضت علیه" "جو میں نے فرض کئے" کی قید ہے اِلّا یہ کہ فرض سے ایسا عمومی معنیٰ مراد لیا جائے جو دونوں قسم کے فرائض کو شامل ہو اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اعمال میں فرائض کی ادائیگی اللہ پاک کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

قال الطوفى الأمر بالفرائض جازم ويقع بتركها المعاقبة بخلاف النفل فى الأمرين وإن اشترك مع الفرائض فى تحصيل الثواب فكانت الفرائض أكمل فلهذا كانت أحب إلى الله تعالى وأشد تقربيا وأيضا فالفرض كالأصل والأس والنفل كالفرع

والبناء وفی الإتیان بالفرائض علی الوجه المأمور به امتثال الأمر واحترام الآمر وتعظیمه بالانقیاد إلیه وإظهار عظمة الربوبیة وذل العبودیة فکان التقرب بذلك أعظم العمل والذی یؤدی الفرض قد یفعله خوفا من العقوبة ومؤدی النفل لا یفعله إلا إیثارا للخدمة فیجازی بالمحبة التی هی غایة مطلوب من یتقرب بخدمته.

طوفی نے فرمایا کہ فرائض کا حکم جزمی ہوتا ہے اور ان کے ترک پر سزا ہے جبکہ نفل ان دونوں باتوں میں فرائض کے بر خلاف ہے اگرچہ ثواب ملنے میں شریک ہے۔ پس فرائض زیادہ کمال والے ہیں اسی لئے اللہ پاک کو زیادہ محبوب ہیں اور بندے کو اللہ پاک کا زیادہ قرب دلانے والے ہیں۔ اس کے علاوہ فرض جڑ اور بنیاد کی طرح ہیں جبکہ نفل شاخ اور عمارت کی طرح ہیں۔ فرائض کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اس طرح ادا کرنے میں حکم کی پیروی ہے، حکم دینے والے کا احترام ہے اور اس کی فرمانبرداری کے ذریعے اس کی تعظیم ہے، رب کی عظمت اور بندے کی عاجزی وانکساری کا اظہار ہے۔ پس فرائض کے ذریعے تقرب حاصل کرنا سب سے بڑا عمل ہے، فرض ادا کرنے والا کبھی سزا کے ڈر سے فرض ادا کرتا ہے جبکہ نفل ادا کرنے والا صرف حقِ بندگی ادا کرنے کے لئے ہی نفل پڑھتا ہے تو اللہ پاک اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے جو بندگی کرکے قرب پانے والے کا انتہائی مطلوب ہے۔

قوله یتقرب إلی التقرب طلب القرب- قال أبو القاسم القشیری قرب العبد من ربه یقع أولا بإیمانه ثم بإحسانه وقرب الرب من عبده ما یخصه به فی الدنیا من عرفانه وفی الآخرة من رضوانه وفیما بین ذلك من وجوه لطفه وامتنانه ولا یتم قرب العبد من الحق إلا ببعده من الخلق قال وقرب الرب بالعلم والقدرة عام للناس

وباللطف والنصرة خاص بالخواص وبالتأنيس خاص بالأولياء.

حدیث کے الفاظ: یتقرب إلی یعنی میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ تقرب کا معنیٰ ہے: قرب ونزدیکی طلب کرنا۔ امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: بندے کا اپنے رب سے قریب ہونا اولاً ایمان لانے اور پھر نیک اعمال کرنے سے ہوتا ہے اور رب کا بندے سے قریب ہونا یہ ہے کہ اللہ بندے کو دنیا میں اپنی معرفت عطا فرمائے اور آخرت میں اپنی رضا سے نوازے اور ان کے مابین اللہ پاک کے لطف و احسان کرنے کی تمام صورتیں ہیں۔ بندے کو رب کا قرب مخلوق سے دور ہو کر ہی ملتا ہے۔

امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا: علم و قدرت کے لحاظ سے رب کا قرب تمام لوگوں کو عام ہے اور لطف و کرم اور مدد کے لحاظ سے قرب خواص کو حاصل ہوتا ہے اور اُنس کے لحاظ سے قرب اولیاء کے ساتھ خاص ہے۔

قوله بالنوافل حتى أحببته في رواية الكشميهني أحبه ظاهره أن محبة الله تعالى للعبد تقع بملازمة العبد التقرب بالنوافل وقد استشكل بما تقدم أولا أن الفرائض أحب العبادات المتقرب بها إلى الله فكيف لا تنتج المحبة والجواب أن المراد من النوافل ما كانت حاوية للفرائض مشتملة عليها ومكملة لها ويؤيده أن في رواية أبي أمامة بن آدم إنك لن تدرك ما عندي إلا بأداء ما افترضت عليك.

قوله: بالنوافل حتى أحببته۔ کشمیہنی کی روایت میں "احبه" ہے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اللہ پاک کا بندے سے محبت کرنا نوافل پر ہمیشگی سے ہوتا ہے۔ اس پر سابقہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ بندہ جن عبادات سے ربِّ کریم کا قرب پاتا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب عمل فرائض ہیں تو ان کے نتیجے میں بندہ اللہ کا محبوب کیوں نہیں

بنتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نوافل سے وہی نوافل مراد ہیں جو فرائض کو شامل اور مکمل کرنے والے ہیں اور اس بات کی تائید حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ اے ابنِ آدم !تو ہر گز میرے پاس موجود شے کو نہیں پا سکتا مگر جو باتیں میں نے تجھ پر فرض کی ہیں ان کی ادائیگی سے۔

وقال الفاكهاني معنى الحديث أنه إذا أدى الفرائض ودام على إتيان النوافل من صلاة وصيام وغيرهما أفضى به ذلك إلى محبة الله تعالى وقال بن هبيرة يؤخذ من قوله ما تقرب إلخ أن النافلة لا تقدم على الفريضة لأن النافلة إنما سميت نافلة لأنها تأتي زائدة على الفريضة فما لم تؤد الفريضة لا تحصل النافلة ومن أدى الفرض ثم زاد عليه النفل وأدام ذلك تحققت منه إرادة التقرب انتهى وأيضا فقد جرت العادة أن التقرب يكون غالبا بغير ما وجب على المتقرب كالهدية والتحفة بخلاف من يؤدي ما عليه من خراج أو يقضي ما عليه من دين وأيضا فإن من جملة ما شرعت له النوافل جبر الفرائض كما صح في الحديث الذي أخرجه مسلم انظروا هل لعبدي من تطوع فتكمل به فريضته الحديث بمعناه.

علامہ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کا معنٰی ہے کہ جب بندہ نماز روزہ وغیرہ فرائض ادا کرے اور نوافل پر ہمیشگی اختیار کرے تو محبتِ الٰہی کو پالیتا ہے۔ علامہ ابنِ ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ما تقرب۔۔ الخ اس فرمان سے اخذ ہوتا ہے کہ نفل فرض پر مقدم نہیں ہو سکتا کیونکہ نفل کو نفل کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ فرض پر زائد ہوتا ہے تو جب فرض ہی ادا نہ ہوں تو نفل کا معنٰی صادق ہی نہیں آتا۔ پس جو فرض ادا کرنے کے بعد پھر نفل پر دوام اختیار کرے تو اس کا ارادۂ تقرب سچا ثابت ہو گا۔ نیز

عادتِ جاریہ بھی یہ ہے کہ غالباً قرب ان باتوں سے ملتا ہے جو تقرب کے طلبگار پر واجب نہ ہوں جیسے ہدیہ و تحفہ دینا، بر خلاف اس شخص کے جو اپنے اوپر لازم خراج یا قرض کی ادائیگی کرے۔اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ نوافل جن مقاصد کے لئے مشروع ہوئے ہیں ان میں سے ایک مقصد فرائض میں کمی کو پورا کرنا بھی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: قیامت کے دن اللہ پاک فرشتوں سے فرمائے گا: دیکھو! کیا میرے بندے کے پاس نوافل ہیں، پھر اس کے نوافل کے ذریعے فرائض کی کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔

فتبين أن المراد من التقرب بالنوافل أن تقع ممن أدى الفرائض لا من أخل بها كما قال بعض الأكابر من شغله الفرض عن النفل فهو معذور ومن شغله النفل عن الفرض فهو مغرور

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ نوافل کے ذریعے قرب اسے ہی مل سکتا ہے جو فرائض کو ادا کرے نہ کہ اسے جو فرائض میں کوتاہی کرے، جیسا کہ بعض اکابر نے فرمایا: جسے فرض نفل سے روک دے وہ معذور ہے اور جسے نفل فرض سے روک دے وہ دھوکا کھایا ہوا ہے۔

وقد استشكل كيف يكون البارى جل وعلا سمع العبد وبصره...إلخ.

والجواب من أوجه أحدها أنه ورد على سبيل التمثيل والمعنى كنت سمعه وبصره في إيثاره أمري فهو يحب طاعتي ويؤثر خدمتي كما يحب هذه الجوارح.

اعتراض ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک بندے کی سماعت اور بصارت کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جا سکتا ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ بات بطورِ تمثیل بیان کی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ

میرے احکام کو ترجیح دینے کے معاملے میں، میں اس کی سماعت اور بصارت ہو جاتا ہوں یعنی وہ میری اطاعت کو پسند کرتا ہے میری خدمت کو ترجیح دیتا ہے جیسے اپنے جسم کے ان اعضاء کو پسند کرتا ہے۔

ثانیھا أن المعنی کلیته مشغولة بی فلا یصغی بسمعه إلا إلی ما یرضینی ولا یری ببصرہ إلا ما أمرته به.

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ کلی طور پر میرے ساتھ ہی مشغول ہوتا ہے تو اپنے کانوں سے وہی باتیں سنتا ہے جو مجھے راضی کرنے والی ہوں اور اپنی بصارت سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کا میں حکم دوں۔

ثالثھا المعنی أجعل له مقاصدہ کأنه ینالھا بسمعه وبصرہ... إلخ

تیسرا جواب: یہ ہے کہ ان الفاظ کا معنٰی ہے: میں اس کے لئے ایسے اہداف مقرر کر دیتا ہوں جنہیں وہ اپنے کانوں اور آنکھوں سے حاصل کرتا ہے۔

رابعھا کنت له فی النصرة کسمعه وبصرہ ویدہ ورجله فی المعاونة علی عدوہ

چوتھا جواب: معنٰی یہ ہے کہ میں اس کی مدد کرنے کے معاملے میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پیر کی طرح ہو جاتا ہوں جن سے وہ اپنے دشمن کے خلاف مدد حاصل کرتا ہے۔

خامسھا قال الفاکھانی وسبقه إلی معناہ بن ھبیرة ھو فیما یظھر لی أنه علی حذف مضاف والتقدیر کنت حافظ سمعه الذی یسمع به فلا یسمع إلا ما یحل استماعه وحافظ بصرہ کذلك... إلخ

پانچواں جواب: تاج الدین امام عمر بن علی فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 734ھ نے

اور ان سے پہلے امام یحییٰ بن ہُبَیرَہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی 560ھ نے فرمایا: اس عبارت میں مضاف محذوف ہے اور مکمل عبارت یوں ہے: "کنت حافظ سمعه الذی یسمع به فلا یسمع إلا ما یحل استماعه وحافظ بصره کذلك" یعنی میں اس کی سماعت کا نگہبان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے تو وہ وہی سنتا ہے جس کا سننا حلال ہو اور اسی طرح میں اس کی بصارت کا نگہبان بن جاتا ہوں۔

سادسها قال الفاکهانی یحتمل معنی آخر أدق من الذی قبله وهو أن یکون معنی سمعه مسموعه لأن المصدر قد جاء بمعنی المفعول مثل فلان أملی بمعنی مأمولی والمعنی أنه لا یسمع إلا ذکری ولا یلتذ إلا بتلاوة کتابی ولا یأنس إلا بمناجاتی ولا ینظر إلا فی عجائب ملکوتی ولا یمد یده إلا فیما فیه رضای ورجله کذلك وبمعناه قال بن هبیرة أیضا.

چھٹا جواب: امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ ایسے معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے جو سابقہ معانی سے زیادہ دقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ سماعت بننے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس کا مسموع بن جاتا ہوں کیونکہ مصدر بعض اوقات مفعول کے معنیٰ میں بھی آتا ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ صرف وہ میرا ہی ذکر سنتا ہے، وہ میری کتاب کی تلاوت سے ہی لذت لیتا ہے، وہ میری مناجات سے ہی مانوس ہوتا ہے اور میری بادشاہت کے عجائبات کے علاوہ وہ نہیں دیکھتا، اس کا ہاتھ اسی کی طرف اٹھتا ہے جس میں میری رضا ہے اور اس کا پاؤں بھی اسی طرح عمل کرتا ہے، یہی معنیٰ امام ابنِ ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

وقال الطوفی اتفق العلماء ممن یعتد بقوله أن هذا مجاز وکنایة عن نصرة العبد وتأییده وإعانته حتی کأنه سبحانه ینزل نفسه من عبده منزلة الآلات التی

يستعين بها ولهذا وقع في رواية فبي يسمع وبي يبصر وبي يبطش وبي يمشي قال والاتحادية زعموا أنه على حقيقته وأن الحق عين العبد واحتجوا بمجيء جبريل في صورة دحية قالوا فهو روحاني خلع صورته وظهر بمظهر البشر قالوا فالله أقدر على أن يظهر في صورة الوجود الكلي أو بعضه تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا.

امام طوفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جن علماء کرام کی بات قابلِ اعتبار ہے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ بندے کی مدد اور تائید سے کنایہ اور مجاز ہے گویا کہ اللہ پاک اپنے آپ کو بندے کے درجے میں اتار دیتا ہے کہ وہ بندے کے لیے ان آلات کے قائم مقام ہے جس سے بندہ مدد طلب کرے۔ اسی لیے ایک روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے کہ اللہ پاک نے فرمایا: تو وہ مجھ سے ہی سنتا ہے، میرے ذریعے ہی دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے۔

امام طوفی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا: اتحادی فرقہ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ الفاظ اپنی حقیقت پر ہیں اور یہ کہ اللہ بعینہ بندہ بن جاتا ہے اور وہ اس بات پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آنے سے بھی دلیل پکڑتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام روحانی مخلوق ہیں جو اپنی صورت اتار دیتے ہیں اور بندے کے مظہر میں نمودار ہوتے ہیں۔ انہوں نے یہ کہا کہ اللہ پاک اس بات پر زیادہ قادر ہے کہ وہ وجود کلی کی صورت میں ظاہر ہو یا اللہ پاک کا بعض وجود کلی کی صورت میں ظاہر ہو۔ اللہ پاک اس بات سے بہت بلند ہے جو ظالمین قول کرتے ہیں۔

وقال الخطابي هذه أمثال والمعنى توفيق الله لعبده في الأعمال التي يباشرها بهذه الأعضاء وتيسير المحبة له فيها بأن يحفظ جوارحه عليه ويعصمه عن مواقعة ما يكره الله من الإصغاء إلى اللهو بسمعه ومن النظر إلى ما نهى الله عنه ببصره ومن

البطش فیما لا یحل له بیدہ ومن السعی إلی الباطل برجله وإلی هذا نحا الداودی ومثله الکلاباذی وعبر بقوله أحفظه فلا یتصرف إلا فی محابی لأنه إذا أحبه کرہ له أن یتصرف فیما یکرهه منه.

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تو امثال ہیں اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ پاک بندے کو ان اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے جنہیں وہ ان اعضاء سے کرتا ہے اور ان نیک اعمال کی محبت اس کے لیے آسان فرما دیتا ہے کہ وہ اپنے اعضاء کی اچھے اعمال پر حفاظت کرتا ہے اور اللہ پاک کے ناپسندیدہ کاموں سے ان اعضاء کو بچاتا ہے مثلاً اپنے کانوں سے لَہْو سننا، اپنی نظر سے ممنوعاتِ باری تعالیٰ دیکھنا، ہاتھ سے اس چیز کو پکڑنا جسے پکڑنا حلال نہیں، اور اپنے پاؤں سے باطل کی طرف چلنا۔ علامہ داؤدی اور امام محمد بن ابی اسحاق کلاباذی رحمہما اللہ بھی اسی معنیٰ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور اسے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: میں اس کی نگہبانی کرتا ہوں تو وہ اپنے اعضاء کو میرے پسندیدہ کاموں کے علاوہ کسی کام میں استعمال نہیں کرتا، کیونکہ جب اللہ پاک اسے محبوب بنا لیتا ہے تو وہ بندے کے لئے اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو اللہ کے ناپسندیدہ کاموں میں استعمال کرے۔

سابعها قال الخطابی أیضا وقد یکون عبر بذلك عن سرعة إجابة الدعاء والنجح فی الطلب وذلك أن مساعی الإنسان کلها إنما تکون بهذه الجوارح المذکورة وقال بعضهم وهو منتزع مما تقدم لا یتحرك له جارحة إلا فی الله ولله فهی کلها تعمل بالحق للحق وأسند البیهقی فی الزهد عن أبی عثمان الجیزی أحد أئمة الطریق قال معناه کنت أسرع إلی قضاء حوائجه من سمعه فی الأسماع وعینه فی النظر ویدہ فی

اللمس ورجله فی المشی وحمله بعض متأخری الصوفية علی ما یذکرونه من مقام الفناء والمحو.

ساتواں جواب: امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبھی ان الفاظ سے دعا کی قبولیت اور طلب میں کامیابی کی سرعت کو تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ انسان کی تمام کوششیں انہی مذکورہ اعضاء سے ہی ہوتی ہیں۔ بعض نے کہا: اور یہ گزشتہ معانی سے ہی نکالا گیا معنیٰ ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ کی رضا میں ہی حرکت کرتا ہے اور اس کے تمام اعضاء حق کے ساتھ حق کے لئے عمل کرتے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "الزہد" میں طریقت کے امام ابو عثمان جیزی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: اس فرمان کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے کانوں کے سننے، آنکھوں کے دیکھنے، ہاتھوں کے پکڑنے اور پاؤں کے چلنے سے بھی پہلے میں اس کی حاجتیں پوری کر دیتا ہوں۔ بعض متأخرین صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے اسے ایسے معنیٰ پر محمول کیا ہے جسے تصوف میں مقام فنا و محو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قوله وإن سألنی زاد فی رواية عبد الواحد عبدی قوله أعطيته أی ما سأل قوله ولئن استعاذنی ضبطناه بوجهين الأشهر بالنون بعد الذال المعجمة والثانی بالموحدة والمعنی أعذته مما يخاف وفی حديث أبی أمامة وإذا استنصر بی نصرته وفی حديث أنس نصحنی فنصحت له.

اللہ پاک کا فرمان: (وان سألنی: اور اگر مجھ سے مانگے) روایتِ عبد الواحد میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: (عبدی میرا بندہ)، (اعطیتہ میں اسے عطا فرماتا ہوں) یعنی وہ جو مانگتا ہے، (ولئن استعاذنی اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے) ہم نے اسے دو طرح لکھا ہے: مشہور روایت ذالِ معجمہ کے بعد نون سے ہے جبکہ دوسری روایت موحدۃ کے ساتھ

ہے، معنٰی یہ ہے کہ میں اسے پناہ دیتا ہوں اس چیز سے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ حدیثِ ابو امامہ رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ ہیں: وإذا استنصر بی نصرته اور جب وہ مجھ سے مدد مانگے تو میں اس کی مدد کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: نصحنی فنصحت له یعنی وہ میرے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے تو میں بھی اس کا بھلا کرتا ہوں۔

ویستفاد منه أن المراد بالنوافل جمیع ما یندب من الأقوال والأفعال وقد وقع فی حدیث أبی أمامة المذکور وأحب عبادة عبدی إلی النصیحة.

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نوافل سے تمام مستحب اقوال وافعال مراد ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں ہے: میری عبادت میں مجھے سب سے زیادہ پسند خلوص ہے۔

وقد استشکل بأن جماعة من العباد والصلحاء دعوا وبالغوا ولم یجابوا والجواب أن الإجابة تتنوع فتارة یقع المطلوب بعینه علی الفور وتارة یقع ولکن یتأخر لحکمة فیه وتارة قد تقع الإجابة ولکن بغیر عین المطلوب حیث لا یکون فی المطلوب مصلحة ناجزة وفی الواقع مصلحة ناجزة أو أصلح منها وفی الحدیث عظم قدر الصلاة فإنه ینشأ عنها محبة الله للعبد الذی یتقرب بها وذلك لأنها محل المناجاة والقربة ولا واسطة فیها بین العبد وربه ولا شیء أقر لعین العبد منها ولهذا جاء فی حدیث أنس المرفوع وجعلت قرة عینی فی الصلاة أخرجه النسائی وغیره بسند صحیح ومن کانت قرة عینه فی شیء فإنه یود أن لا یفارقه ولا یخرج منه لأن فیه نعیمه وبه تطیب حیاته وإنما یحصل ذلك للعابد بالمصابرة علی النصب فإن السالك غرض

الآفات والفتور.

اشکال پیدا ہوتا ہے کہ صالحین اور نیک بندوں کی ایک جماعت نے بہت دعائیں کیں مگر ان کی دعائیں مقبول نہ ہوئیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبولیت کئی طرح سے ہوتی ہے: کبھی تو مطلوبہ چیز فوراً عطا ہو جاتی ہے تو کبھی کسی حکمت کے سبب تاخیر سے عطا ہوتی ہے اور کبھی مطلوبہ شے کے علاوہ کوئی اور چیز عطا کر دی جاتی ہے کیونکہ مطلوبہ چیز میں فی الحال اس کے لئے مصلحت نہیں ہوتی اور عطا کردہ شے میں فی الحال اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے یا عطا کردہ شے مطلوبہ شے سے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔

حدیثِ پاک میں نماز کی عظمت کا بیان ہے کیونکہ جو بندہ نماز کے ذریعے اللہ پاک کا قرب چاہتا ہے تو اسے نماز کے سبب اللہ پاک کی محبت حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز مناجات و قرب کا محل ہے اور نماز میں بندے اور رب کے مابین کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بندے کے لئے کسی شے میں نماز سے زیادہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہے اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے۔ امام نسائی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور جس شے میں کسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس سے جدا نہ ہو اور نہ اس سے باہر نکلے کیونکہ اسے اس میں مزہ آتا ہے اور اس کے سبب اس کی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ یہ بات عابد کو مشقت پر صبر سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ راہِ سلوک کے مسافر کو آفات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

وفی حدیث حذیفة من الزیادة ویکون من أولیائی وأصفیائی ویکون جاری مع النبیین والصدیقین والشهداء فی الجنة وقد تمسك بهذا الحدیث بعض الجهلة

من أهل التجلی والریاضة فقالوا القلب إذا کان محفوظا مع الله کانت خواطره معصومة من الخطأ وتعقب ذلك أهل التحقیق من أهل الطریق فقالوا لا یلتفت إلی شیء من ذلك إلا إذا وافق الکتاب والسنة والعصمة إنما هی للأنبیاء ومن عداهم فقد یخطئ فقد کان عمر رضی الله عنه رأس الملهمین ومع ذلك فکان ربما رأی الرأی فیخبره بعض الصحابة بخلافه فیرجع إلیه ویترك رأیه.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: وہ میرے اولیاء و پاکیزہ بندوں میں سے ہو جاتا ہے اور جنت میں نبیوں، صدیقوں اور شہدا کے ساتھ میرا مقرب ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو ریاضت کرنے والے بعض جاہل اس بات پر دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ دل جب اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے تو اس میں پیدا ہونے والے خیالات خطا سے معصوم ہو جاتے ہیں۔ اہلِ طریقت کے محققین نے اس بات کی پکڑ کی اور فرمایا: ان کی کسی بات پر توجہ نہ دی جائے مگر جو قرآن و سنت کے موافق ہو۔ اور انسانوں میں معصوم ہونا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے اور ان کے علاوہ حضرات سے کبھی خطا واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو کہ مُلْهَمِین یعنی جن پر الہام ہوتا ہے ان حضرات کے سردار ہیں اس کے باوجود بعض اوقات آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کسی جانب ہوتی اور بعض صحابہ آپ کو اس کے برعکس موقف سے آگاہ فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے کو چھوڑ کر ان کی رائے کی طرف رجوع فرمالیا کرتے تھے۔

فمن ظن أنه یکتفی بما یقع فی خاطره عما جاء به الرسول علیه الصلاة والسلام فقد ارتکب أعظم الخطإ وأما من بالغ منهم فقال حدثنی قلبی عن ربی فإنه أشد خطأ

فإنه لا يأمن أن يكون قلبه إنما حدثه عن الشيطان والله المستعان.

جو یہ گمان کرے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ کر اپنے دلی خیالات پر اکتفا کر لے گا تو وہ بہت بڑا خطا کار ہے۔ ان میں جو زیادہ آگے بڑھ گیا وہ کہتا ہے کہ میرا دل مجھے میرے رب کی طرف سے خبر دیتا ہے تو وہ اس سے بھی بڑا مجرم ہے کیونکہ وہ اس بات سے محفوظ نہیں کہ اس کا دل اسے شیطان کی طرف سے خبر دیتا ہو اور اللہ پاک ہی مدد فرمانے والا ہے۔

قال الطوفي هذا الحديث أصل في السلوك إلى الله والوصول إلى معرفته ومحبته وطريقه إذ المفترضات الباطنة وهي الإيمان والظاهرة وهي الإسلام والمركب منهما وهو الإحسان فيهما كما تضمنه حديث جبريل والإحسان يتضمن مقامات السالكين من الزهد والإخلاص والمراقبة وغيرها وفي الحديث أيضا أن من أتى بما وجب عليه وتقرب بالنوافل لم يرد دعاؤه لوجود هذا الوعد الصادق المؤكد بالقسم وقد تقدم الجواب عما يتخلف من ذلك وفيه أن العبد ولو بلغ أعلى الدرجات حتى يكون محبوبا لله لا ينقطع عن الطلب من الله لما فيه من الخضوع له وإظهار العبودية.

امام طوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث راہِ سلوک کی اصل ہے اور اللہ کی معرفت، محبت اور اس کے رستے تک پہنچنے کی اصل ہے کیونکہ ایمان باطنی اور اسلام ظاہری فرض ہے اور ان دونوں کا مجموعہ احسان ہے جیسا کہ حدیثِ جبریل میں ہے اور احسان سالکین کے مقامات زہد، اخلاص مراقبہ وغیرہ کو متضمن ہے۔ حدیث میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ جو واجبات کو ادا کرے اور نوافل کے ذریعے قرب حاصل کرے تو اس کی دعا رد نہیں کی جاتی کیونکہ اس کی دعا کی قبولیت پر یہ سچا اور قسم سے

موکد وعدہ موجود ہے اور کبھی بظاہر دعا قبول نہ ہونے کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بندہ اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائے حتی کہ اللہ کا محبوب بن جائے پھر بھی اللہ پاک سے مانگنے کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس سے مانگنے میں عاجزی و اظہارِ بندگی ہے۔

قوله وما ترددت عن شیء أنا فاعله ترددی عن نفس المؤمن وفی حدیث عائشة ترددی عن موته ووقع فی الحلیة فی ترجمة وهب بن منبه إنی لأجد فی کتب الأنبیاء أن الله تعالی یقول ما ترددت عن شیء قط ترددی عن قبض روح المؤمن إلخ قال الخطابی التردد فی حق الله غیر جائز والبداء علیه فی الأمور غیر سائغ ولکن له تأویلان أحدهما أن العبد قد یشرف علی الهلاك فی أیام عمره من داء یصیبه وفاقة تنزل به فیدعو الله فیشفیه منها ویدفع عنه مکروهها فیکون ذلك من فعله کتردد من یرید أمرا ثم یبدو له فیه فیترکه ویعرض عنه ولا بد له من لقائه إذا بلغ الکتاب أجله لأن الله قد کتب الفناء علی خلقه واستأثر بالبقاء لنفسه والثانی أن یکون معناه ما رددت رسلی فی شیء أنا فاعله کتردیدی إیاهم فی نفس المؤمن کما روی فی قصة موسی وما کان من لطمة عین ملك الموت وتردده إلیه مرة بعد أخری قال وحقیقة المعنی علی الوجهین عطف الله علی العبد ولطفه به وشفقته علیه.

حدیث پاک میں ہے کہ میں کسی شے کے بارے میں جو میں کرنے والا ہوں تردد نہیں کرتا جیسا تردد میں مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: جیسا تردد اس کی موت میں کرتا ہوں۔

حلیۃ الاولیاء میں حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں یہ بات موجود

ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میں نے انبیاء کی کتابوں میں یہ بات پائی کہ اللہ پاک فرماتا ہے: میں کسی شے کے بارے میں ویسا تردد نہیں کرتا جیسا میں مومن کی روح قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے لئے تردد کرنا محال ہے اور اس کا امور میں "البداء"[15] جائز نہیں ہے۔

لیکن اس کی دو تاویلیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ کبھی کبھی بندہ اپنی زندگی میں ہلاکت کے قریب پہنچ جاتا ہے کسی ایسی بیماری کی وجہ سے جو اسے پہنچی یا کسی ایسے فاقے کی وجہ سے جو اس کے گھر اُترا تو وہ اللہ پاک سے دعا کرتا ہے اور اللہ پاک اسے شفا عطا فرما دیتا ہے اور اس سے اس کی ناپسندیدہ چیز جو ہے وہ دور فرما دیتا ہے تو اللہ پاک کا یہ فعل اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ تردد کرے پھر اس کام میں اس کے لیے کوئی بات ظاہر ہو جائے تو وہ ترک کر دے اور اس سے اعراض کر لے لیکن اللہ پاک کی بارگاہ میں ملنا بھی اس کا ضروری ہوتا ہے جب مقررہ وقت آجائے کیونکہ اللہ پاک نے اپنی مخلوق پر فنا فرض کیا ہے اور اپنے لیے بقا کو قائم رکھا ہے۔ دوسرا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بھیجے ہوؤں کو کسی چیز میں لوٹاتا نہیں جس کام کو میں کرنے والا ہوں جیسا کہ میں مومن کی جان قبض کرنے میں انہیں لوٹا دیتا ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ملک الموت علیہ السلام کی آنکھ نکلنے اور ان کا ایک بار کے بعد دوسری بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے والے

---

15 ...البداء کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ پاک نے پہلے کوئی کام کرنا ہو، پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ اس کام میں کوئی خرابی ہے تو اس کام کو ترک کر دے یا بدل دے، اس کو "البداء" کہتے ہیں۔ شیعہ اس کے قائل ہیں جبکہ اہلِ سنت اس کے منکر ہیں۔ (نعم الباری، ج14، ص127)

واقعے میں مروی ہے۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: ان دونوں صورتوں میں حقیقی معنیٰ "اللہ پاک کا بندے پر لطف و مہربانی اور شفقت فرمانا ہے۔"

وقال الكلاباذى ما حاصله أنه عبرعن صفة الفعل بصفة الذات أى عن الترديد بالتردد وجعل متعلق الترديد اختلاف أحوال العبد من ضعف ونصب إلى أن تنتقل محبته فى الحياة إلى محبته للموت فيقبض على ذلك قال وقد يحدث الله فى قلب عبده من الرغبة فيما عنده والشوق إليه والمحبة للقائه ما يشتاق معه إلى الموت فضلا عن إزالة الكراهة عنه فأخبر أنه يكره الموت ويسوءه ويكره الله مساءته فيزيل عنه كراهية الموت لما يورده عليه من الأحوال فيأتيه الموت وهوله مؤثروإليه مشتاق قال وقد ورد تفعل بمعنى فعل مثل تفكر وفكر وتدبر ودبر وتهدد وهدد والله أعلم.

امام کلاباذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ فعل کی صفت کو ذات کی صفت سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی تردید (لوٹانا) کو تردد سے تعبیر کیا گیا ہے اور تردید کا متعلق بندے کے احوال یعنی کمزوری و تھکن کا تبدیل ہونا ہے یہاں تک کہ اس کی زندگی سے محبت موت سے محبت میں بدل جاتی ہے اور اسی حالت پر اس کی روح قبض کرلی جاتی ہے۔

مزید فرمایا: کبھی اللہ پاک موت سے کراہت کو دور کرنے کی بجائے اپنے بندے کے دل میں اپنے پاس موجود اجر، اپنی بارگاہ کا شوق اور اپنی ملاقات کی محبت کی رغبت پیدا کر دیتا ہے جس کے سبب وہ موت کا مشتاق ہو جاتا ہے تو اللہ پاک نے بتایا کہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ کو اس کا موت کو ناپسند کرنا ناپسند ہوتا ہے تو اللہ پاک اس پر وہ کیفیات وارد کرتا ہے کہ اس سے موت کی ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے اور اسے

اس حال میں موت آتی ہے کہ وہ موت کا مشتاق ہوتا ہے۔ تفعل فعل کے معنیٰ میں وارد ہوتا ہے جیسے تفکر بمعنیٰ فکر، تدبر بمعنیٰ دبر، تھدد بمعنیٰ ھدد۔ واللہ اعلم۔

وعن بعضهم يحتمل أن يكون تركيب الولى يحتمل أن يعيش خمسين سنة وعمره الذى كتب له سبعون فإذا بلغها فمرض دعا الله بالعافية فيحييه عشرين أخرى مثلا فعبر عن قدر التركيب وعما انتهى إليه بحسب الاجل المكتوب بالتردد.

بعض سے منقول ہے کہ اس معنیٰ کا احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے ولی کی ترکیب تو ایسی ہو کہ وہ پچاس سال تک زندہ رہے گا مگر اس کی عمر ستر سال لکھی ہوئی ہے تو جب وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچا تو بیمار ہو گیا اور اس نے عافیت کی دعا کی تو اللہ پاک نے اسے ستر سال کی عمر تک زندہ رکھا تو اس کی ترکیب جتنی عمر اور لکھی ہوئے موت کے مطابق جس عمر تک وہ پہنچا اس کو تردد سے تعبیر فرمایا۔

وعبر ابن الجوزى عن الثانى بأن التردد للملائكة الذين يقبضون الروح وأضاف الحق ذلك لنفسه لأن ترددهم عن أمره قال وهذا التردد ينشأ عن إظهار الكراهة فإن قيل إذا أمر الملك بالقبض كيف يقع منه التردد فالجواب أنه يتردد فيما لم يحد له فيه الوقت كأن يقال لا تقبض روحه إلا إذا رضى ثم ذكر جوابا ثالثا وهو احتمال أن يكون معنى التردد اللطف به كأن الملك يؤخر القبض فإنه إذا نظر إلى قدر المؤمن وعظم المنفعة به لأهل الدنيا احترمه فلم يبسط يده إليه فإذا ذكر أمر ربه لم يجد بدا من امتثاله وجوابا رابعا وهو أن يكون هذا خطابا لنا بما نعقل والرب منزه عن حقيقته بل هو من جنس قوله ومن أتانى يمشى أتيته هرولة فكما أن أحدنا يريد أن يضرب ولده تأديبا فتمنعه المحبة وتبعثه الشفقة فيتردد بينهما ولو كان غير الوالد كالمعلم لم يتردد

بل کان یبادر إلی ضربہ لتأدیبہ فأرید تفھیمنا تحقیق المحبۃ للولی بذکر التردد.

اور علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے معنٰی کو اس طرح تعبیر کیا کہ اس سے روح قبض کرنے والے فرشتوں کا تردد مراد ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا کیونکہ ان کا تردد اللہ کے حکم سے تھا۔

علامہ ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا: یہ لوٹنا اظہارِ کرامت سے ناشی ہے اگر کہا جائے کہ جب فرشتوں کو روح قبض کرنے کا حکم دیا گیا تو انہیں تردد کیسے واقع ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا تردد اس صورت میں ہوتا ہے جب انہیں اس بندے کی موت کا وقت مقرر بیان نہ گیا ہو بلکہ انہیں یوں کہا گیا ہو اس بندے کی روح قبض نہ کرنا مگر جب یہ راضی ہو۔

پھر تیسرا جواب ذکر فرمایا کہ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ تردد کا معنٰی اس پر لطف و کرم ہو گویا کہ فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کو مؤخر کر دیتا ہے کیونکہ جب وہ مومن کی قدر و منزلت اور اہلِ دنیا کے لئے اس کی عظیم منفعت کی طرف نظر کرتا ہے تو احتراماً روح قبض کرنے کے لئے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا لیکن جب رب کا حکم یاد کرتا ہے تو اسے پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

چوتھا جواب: یہ خطاب ہماری عقل کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ پاک تردد کے حقیقی معنٰی سے منزہ ہے بلکہ یہ فرمان اللہ پاک کے اس فرمان کی جنس سے ہے کہ جو میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہوں تو جس طرح ہم میں سے کوئی اپنے بچے کو تادیباً مارنے لگتا ہے تو محبت مارنے سے روکتی ہے اور شفقت ابھارتی ہے تو وہ مارنے نہ مارنے میں متردد ہو جاتا ہے اور اگر والد کے علاوہ کوئی اور مثلاً

استاذ ہو تو وہ متردد نہیں ہوتا بلکہ اسے ادب سکھانے کے لئے مارنے میں جلدی کرتا ہے تو ہمیں بھی لفظ تردد ذکر کر کے اللہ پاک کے ولی سے محبت کا ثبوت سمجھایا گیا ہے۔

وجوز الكرمانی احتمالا آخر وهو أن المراد أنه يقبض روح المؤمن بالتأني والتدريج بخلاف سائر الأمور فإنها تحصل بمجرد قول كن سريعا دفعة.

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور احتمال کو جائز قرار دیا کہ مراد یہ ہے کہ مومن کی روح آرام آرام سے بتدریج نکالی جاتی ہے برخلاف بقیہ تمام امور کے کیونکہ وہ کن کہتے ہی فوراً ہو جاتے ہیں۔

قوله يكره الموت وأنا أكره مساءته فی حديث عائشة إنه يكره الموت وأنا أكره مساءته.

زاد بن مخلد عن بن كرامة فی آخره ولا بد له منه ووقعت هذه الزيادة أيضا فی حديث وهب وأسند البيهقی فی الزهد عن الجنيد سيد الطائفة قال الكراهة هنا لما يلقى المؤمن من الموت وصعوبته وكربه وليس المعنى أنی أكره له الموت لأن الموت يورده إلى رحمة الله ومغفرته انتهى وعبر بعضهم عن هذا بأن الموت حتم مقضى وهو مفارقة الروح للجسد ولا تحصل غالبا إلا بألم عظيم جدا كما جاء عن عمرو بن العاص أنه سئل وهو يموت فقال كأنی أتنفس من خرم إبرة وكأن غصن شوك يجر به من قامتی إلى هامتی وعن كعب أن عمر سأله عن الموت فوصفه بنحو هذا فلما كان الموت بهذا الوصف والله يكره أذى المؤمن أطلق على ذلك الكراهة.

(يكره الموت وأنا أكره مساءته وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی ناپسندیدگی کو پسند نہیں کرتا)

ابنِ مخلد ابنِ کرامۃ سے جو روایت کرتے ہیں اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: ولا بد له منه اور موت اس کے لئے ضروری ہے اور یہی الفاظ حضرت ابنِ وہب کی روایت میں بھی ہیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ زہد میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں فرمایا: یہاں موت کی سختیوں اور تکالیف کی وجہ سے مومن کا موت کو ناپسند کرنا مراد ہے یہ معنیٰ نہیں ہے کہ میں اس کے لئے موت کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ موت تو اسے مغفرت اور رحمتِ الٰہی کی طرف لے کر جانے والی ہے۔ بعض نے اس معنیٰ کو یوں تعبیر کیا کہ موت حتمی فیصلہ ہے اور موت جسم سے روح کے جدا ہونے کا نام ہے اور غالباً روح کا جسم سے جدا ہونا بڑے درد و الم کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے موت کے وقت پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: گویا کہ میں سوئی کے سوراخ سے سانس لے رہا ہوں اور ایک کانٹے دار شاخ میرے قدموں کی طرف سے سر کی جانب کھینچی جا رہی ہے۔ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بھی ایسا ہی حال بیان فرمایا، تو جب موت اتنی سخت ہے اور اللہ پاک مومن بندے کو تکلیف دینا پسند نہیں فرماتا تو اس پر لفظِ کراہت کا اطلاق کیا گیا۔

ويحتمل أن تكون المساءة بالنسبة إلى طول الحياة لأنها تؤدي إلى أرذل العمر وتنكس الخلق والرد إلى أسفل سافلين وجوز الكرماني أن يكون المراد أكره مكرهه الموت فلا أسرع بقبض روحه فأكون كالمتردد قال الشيخ أبو الفضل بن عطاء في هذا الحديث عظم قدر الولي لكونه خرج عن تدبيره إلى تدبير ربه وعن انتصاره لنفسه إلى انتصار الله له وعن حوله وقوته بصدق توكله قال ويؤخذ منه أن لا يحكم لإنسان

آذی ولیا ثم لم یعاجل بمصیبة فی نفسه أو ماله أو ولده بأنه سلم من انتقام الله فقد تکون مصیبته فی غیر ذلك مما هو أشد علیه کالمصیبة فی الدین مثلا .

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ پاک کی ناپسندیدگی اس کی طویل عمر کے اعتبار سے ہو کیونکہ وہ نکمی عمر اور جسمانی کمزوری اور نیچی سے نیچی حالت کی طرف لے جانے والی ہے۔

اور علامہ کرمانی نے فرمایا: اس کا یہ معنیٰ ہو سکتا ہے کہ میں بندے کا موت کو ناپسند کرنا، ناپسند کرتا ہوں تو اس کی روح جلد قبض نہیں فرماتا تو متردد کا سا معاملہ فرماتا ہوں۔

شیخ ابو الفضل بن عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں شانِ ولی کی عظمت کا بیان ہے کیونکہ وہ سچے توکّل کے سبب اپنی تدبیر سے اللہ پاک کی تدبیر، اپنی مدد سے اللہ کی مدد اور اپنی قوت سے اللہ پاک کی قدرت کی طرف نکل جاتا ہے، اور اس حدیث سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ولی کو اذیت دے اور پھر اس کی جان، مال یا اولاد میں فوراً مصیبت نہ آئے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ کے انتقام سے بچ گیا ہے کیونکہ کبھی ان چیزوں سے بڑی مصیبت اس پر آجاتی ہے جیسے دین میں مصیبت آنا۔

قال ویدخل فی قوله افترضت علیه الفرائض الظاهرة فعلا کالصلاة والزکاة وغیرهما من العبادات وترکا کالزنا والقتل وغیرهما من المحرمات والباطنة کالعلم بالله والحب له والتوکل علیه والخوف منه وغیر ذلك وهی تنقسم أیضا إلی أفعال وتروك قال وفیه دلالة علی جواز اطلاع الولی علی المغیبات بإطلاع الله تعالی له ولا یمنع من ذلك ظاهر قوله تعالی عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحدا إلا من ارتضی من رسول فإنه لا یمنع دخول بعض أتباعه معه بالتبعیة لصدق قولنا ما دخل علی الملك الیوم إلا الوزیر ومن المعلوم أنه دخل معه بعض خدمه قلت الوصف

المستثنی للرسول هنا إن كان فيما يتعلق بخصوص كونه رسولا فلا مشاركة لأحد من أتباعه فيه إلا منه وإلا فيحتمل ما قال والعلم عند الله تعالى.

شیخ ابو الفضل بن عطار رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: اللہ پاک کے فرمان: افترضت علیہ یعنی جو میں نے اس پر فرض کی ہے، اس میں ظاہری فعلی فرائض جیسے نماز، زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور ظاہری محرمات جنہیں ترک کرنے کا حکم ہے جیسے بدکاری و قتل، اور باطنی فرائض جیسے معرفتِ الٰہی، محبتِ الٰہی، توکل، خوفِ خدا وغیرہ داخل ہیں اور یہ بھی کرنے والے اور ترک کرنے والے فرائض کی طرف منقسم ہیں۔ مزید فرمایا کہ اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ ولی کو اللہ کے بتانے سے غیبی امور کا علم ہو سکتا ہے اور یہ اللہ پاک کے اس فرمان ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا(۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ ترجمۂ کنزُالعِرفان: غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو اطلاع نہیں دیتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔[16] کے ظاہر کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ فرمان علمِ غیب میں رسول کے ساتھ ان کے بعض متبعین کے بالتبع داخل ہونے سے مانع نہیں ہے۔ جیسے ہمارا یہ کہنا کہ آج وزیر کے سوا بادشاہ کے پاس کوئی نہیں آئے گا تو یہ بات معلوم ہے کہ وزیر کے ساتھ بالتبع اس کے خادم بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس آیت میں رسول کے لئے جس وصف کا استثنیٰ کیا گیا ہے اگر اس کا تعلق رسول ہونے کے ساتھ خاص ہے تو پھر ان کے ساتھ ان کے متبعین میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا مگر اللہ

16...پ29، الجن:26

پاک کی طرف سے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جو شیخ نے فرمایا ہے اس کا احتمال موجود ہے۔ اور حقیقت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ [17]

شرح حدیث نمبر:6

شہاب الدین امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں:

(عن أبي هريرة) ۔رضی اللہ عنہ۔ أنه (قال: قال رسول الله ۔صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔):(إن الله) عزوجل (قال: من عادى لي وليًا) فعيلاً بمعنى مفعول وهو من يتولى الله سبحانه وتعالى أمره قال الله تعالى: {وهويتولى الصالحين} [الأعراف:196] ولا يأكله إلى نفسه لحظة بل يتولى الحق رعايته.

(جس نے میرے ولی سے دشمنی کی) ولی فعیل بمعنیٰ مفعول کا صیغہ ہے، اور ولی وہ ہوتا ہے جس کی اللہ پاک حفاظت فرماتا ہے اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ(۱۹۶)﴾ (ترجمہ کنزُالعِرفان: اور وہ صالحین کی مدد کرتا ہے۔ [18]

أو هو فعيل مبالغة من الفاعل وهو الذي يتولى عبادة الله وطاعته فعباداته تجرى على التوالى من غير أن يتخللها عصيان، وكلا الوصفين واجب حتى يكون الولى وليًا بحسب قيامه بحقوق الله على الاستقصاء والاستبقاء ودوام حفظ الله إياه فى السراء والضراء، ومن شرط الولى أن يكون محفوظًا كما أن من شرط النبى أن يكون

17... فتح الباری شرح صحیح البخاری، 11/342 تا 347

18... پ9، الاعراف:196

معصومًا فكل من كان للشرع عليه اعتراض فهو مغرور مخادع.

قال القشيري: والمراد بكون الولی محفوظًا أن يحفظه الله تعالی من تماديه فی الزلل والخطأإن وقع فيهما بأن يلهمه التوبة فيتوب منهما وإلاّ فهما لا يقدحان فی ولايته.

یاولی بمعنیٰ اسم فاعل مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ولی اللہ پاک کی عبادت اور اطاعت پر گناہ کے مخل ہوئے بغیر مسلسل نگہبانی کرتا ہے۔

ما قبل مذکور ولی کے یہ دونوں وصف (یعنی اللہ پاک کا اپنے ولی کی حفاظت فرمانا اور ولی کا عبادات وطاعات اور گناہوں سے بچنے کی پابندی کرنا) ضروری ہیں تا کہ ولی حقیقی معنیٰ میں ولی ہو سکے، اس طرح کہ وہ استقامت کے ساتھ اللہ پاک کے حقوق پورے کرے اور اللہ کریم ہمیشہ ولی کی خلوت وجلوت میں اس کی حفاظت فرمائے۔ ولی کے لئے شرط ہے کہ وہ محفوظ ہو جیسے نبی کے لئے شرط ہے کہ وہ معصوم ہو، لہٰذا ہر وہ شخص جس پر شریعت کو اعتراض ہو (یعنی وہ خلافِ شریعت کام کرتا ہو) تو ایسا شخص (ولی نہیں بلکہ) دھوکے کا شکار ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ولی کے محفوظ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ لغزش اور خطا میں مبتلا ہو جائے تو اللہ پاک اسے ان میں حد سے بڑھنے سے بچاتا ہے، اس طرح کہ اس کے دل میں توبہ الھام فرماتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے، فقط لغزش اور خطا میں مبتلا ہونا ولی کی ولایت میں رکاوٹ نہیں ہے۔

قال الفاكهانی: وهو من المجاز البليغ لأن من كره من أحب الله خالف الله، ومن خالف الله عانده ومن عانده أهلكه، وإذا ثبت هذا فی جانب المعاداة ثبت ضده فی جانب الموالاة فمن والی أولياء الله أكرمه الله، ولأبی ذر عن الكشميهنی بحرب بإسقاط الألف واللام.

فاکہانی نے کہا کہ یہ مجاز بلیغ سے ہے کیونکہ جو محبینِ باری تعالیٰ کو ناپسند سمجھے اس نے اللہ پاک کی مخالفت کی اور جس نے اللہ پاک کی مخالفت کی اس نے اللہ پاک سے دشمنی مول لی اور جس نے اللہ پاک سے عناد رکھا اس نے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا۔ جب دشمنی کے پہلو سے یہ ثابت ہوا تو جانبِ دوستی اس کی ضد ثابت ہوگئی کہ جو اللہ پاک کے اولیاء سے دوستی رکھے اللہ پاک اسے معزز کر دیتا ہے۔ کشمیہنی نے ابوذر سے لفظ حرب (بغیر الف لام) کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

وقال الاتحادية: إنه على حقيقته وإن الحق عين العبد محتجين بمجيء جبريل في صورة دحية.

وللشيخ قطب الدين القسطلاني كتاب بديع في الردّ على أصحاب هذه المقالة أثابه الله، وعن أبي عثمان الحيري أحد أئمة الصوفية مما أسنده عنه البيهقي في الزهد قال: معنى الحديث كنت أسرع إلى قضاء حوائجه من سمعه في الاستماع، وعينه في النظر، ويده في اللمس، ورِجله في المشي.

فرقہ اتحادیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ حدیثِ قدسی میں اللہ پاک کا بندے کے کان، آنکھ وغیرہ بن جانے کا بیان حقیقی معنیٰ میں ہے اور وہ اس بات پر حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آنے سے دلیل پکڑتے ہیں۔

ایسا جملہ کہنے والوں کے رد میں شیخ قطب الدین عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی انوکھی کتاب ہے، اللہ پاک انہیں اس کا ثواب عطا فرمائے۔ حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ صوفیاء کے اماموں میں سے ایک ہیں انہوں نے سند کے ساتھ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الزہد کے حوالے سے روایت کیا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں اس

کی حاجات کو پورا کرنے میں اس سے زیادہ جلدی کرتا ہوں جتنا اس کی سماعت سننے میں جلدی کرتی ہے اور جتنا اس کی آنکھ دیکھنے میں جلدی کرتی ہے جتنا اس کا ہاتھ پکڑنے میں جلدی کرتا ہے اور جتنا اس کا پاؤں چلنے میں جلدی کرتا ہے۔

وقال الجنيد: الكراهة هنا لما يلقى المؤمن من الموت وصعوبته، وليس المعنى أني أكره له الموت لأن الموت يورده إلى رحمة الله تعالى ومغفرته، وقال غيره: لما كانت مفارقة الروح الجسد لا تحصل إلا بألم عظيم جدًّا والله تعالى يكره أذى المؤمن أطلق على ذلك الكراهة، ويحتمل أن تكون المساءة بالنسبة إلى طول الحياة لأنها تؤدي إلى أرذل العمر وتنكيس الخلق والردّ إلى أسفل سافلين، وفي ذلك دلالة على شرف الأولياء ورفعة منزلتهم حتى لو تأتي أنه تعالى لا يذيقهم الموت الذي حتمه على عباده لفعل، ولهذا المعنى ورد لفظ التردّد كما أن العبد إذا كان له أمر لا بدّ له أن يفعله بحبيبه لكنه يؤلمه، فإن نظر إلى ألمه انكف عن الفعل، وإن نظر إلى أنه لا بدّ له منه أن يفعله لمنفعته أقدم عليه فيعبر عن هذه الحالة في قلبه بالتردّد فخاطب الله الخلق بذلك على حسب ما يعرفون ودلهم به على شرف الوليّ عنده ورفعة درجته.

امام جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کراہت یہاں ان چیزوں کی وجہ سے ہوتی ہے جو مومن کو موت اور اس کی صعوبتوں سے ملتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کے لیے موت کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ موت تو بندے کو اللہ کی رحمت اور مغفرت کی طرف لے جاتی ہے۔ کسی اور نے کہا کہ جب روح و جسم کا جدا ہونا بہت زیادہ درد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اللہ پاک مومن کو تکلیف دینے کو ناپسند فرماتا ہے تو یہاں کراہت کا مطلب یہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں برا سمجھنے سے مراد

ہے لمبی زندگی کیونکہ لمبی زندگی ارذل العمر اور تخلیق کے ٹوٹ پھوٹ جانے کی طرف لے جاتی ہے اور اسفل السافلین کی طرف لوٹا دیتی ہے۔

اس حدیث پاک میں اولیاء کے شرف و منزلت پر دلالت ہے کہ یہاں تک کہ اگر یہ (ان کے حق میں بہتر) ہوتا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کو موت کا ذائقہ نہ چکھائے تو یقیناً وہ اولیاء کو یہ ذائقہ نہ چکھاتا، اسی معنٰی کے لیے لفظ تردد آیا ہے کہ جیسے بندے کو جب کوئی ایسا کام کرنا ہو جو اس کے لیے کرنا ضروری ہو لیکن وہ اس کے محبوب کو تکلیف دیتا ہو تو جب وہ اس کی تکلیف کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اس کام سے باز رہتا ہے اور جب وہ اس بات کی طرف دیکھتا ہے کہ یہ کام ضروری ہے محبوب کے فائدے کے لیے تو پھر وہ اس کو کرلیتا ہے اس کے دل کی ایسی حالت کو تردد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو اللہ پاک نے اپنی مخلوق کو ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا جو چیزیں وہ جانتے ہیں اور ان الفاظ کے بیان سے اس نے اپنے ولی کے مقام اور مرتبے کی طرف رہنمائی فرمائی۔[19]

شرح حدیث نمبر:7

حضرت علامہ علی بن سلطان قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے تحت لکھتے ہیں:

(وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله: إن الله تعالى قال: من عادى): أي: آذى (لي وليا): أي: واحدا من أوليائي فعيل بمعنى مفعول، وهو: من تولى الله أمره فلا يكله إلى نفسه لحظة قال الله تعالى: {وهو يتولى الصالحين} أو لمبالغة فاعل، وهو المتولي عبادة الله وطاعته على التوالي بلا تخلل عصيان، والأول يسمى: مرادا ومجذوبا

19...ارشاد الساری، 9/289، تحت الحدیث: 5602

سالكا، والثانی: مریدا وسالكا مجذوبا، واختلف أیهما أفضل، وفی الحقیقة كل مراد مرید، وكل مرید مراد، وإنما التفاوت فی البدایة والنهایة، والعنایة والرعایة.

قوله: من عادی لی ولیا: یعنی میرے اولیاء میں کسی ایک سے بھی دشمنی کرے (ولی فعیل کے وزن پر بمعنیٰ مفعول ہے) اور ولی وہ ہوتا ہے جس کے امور کی ذمہ داری اللہ پاک لے لیتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اسے اس کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ هُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ(۱۹۶)﴾ (ترجمۂ کنزُالعِرفان: اور وہ صالحین کی مدد کرتا ہے۔[20]) اور یا یہ صیغہ فاعلیت کے معنیٰ میں مبالغہ کے لیے ہے (اس احتمال کی بناء پر) معنیٰ یہ ہو گا: ولی سے مراد ہے ایسا شخص جو لگاتار بغیر معصیت کئے اللہ کی اطاعت میں مصروف رہے۔ اول کو مراد اور مجذوب سالک کا نام دیا جاتا ہے، جبکہ مؤخر الذکر کو مرید اور سالک مجذوب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ مذکورہ دونوں میں سے کون افضل ہے، تو واقعی اور حقیقی بات یہ ہے کہ ہر مرید مراد اور ہر مراد مرید ہوتا ہے۔ البتہ ابتداء، انتہاء اور اہتمام ورعایت کے اعتبار سے دونوں میں قدرے تفاوت ہے۔

(فقد آذنته): بالمد أی: أعلمته (بالحرب): أی: بمحاربتی إیاه لأجل ولیی، أو بمحاربته إیای یعنی: فكأنه محارب لی، قال الأئمة لیس فی المعاصی من توعد الله أربابها بأنه محاربه إلا هذا وآكل الربا قال تعالى: {فأذنوا بحرب من الله ورسوله} وهذا یدل على ما فی هاتین الخصلتین من عظم الخطر، إذ محاربة الله للعبد تدل

20...پ9، الاعراف:196

علی سؤ خاتمته، لأن من حاربه الله لا یفلح أبدا.

قولہ: فقد آذنتہ بالحرب: مد کے ساتھ بمعنیٰ "اعلمتہ" (بالحرب) یعنی اپنے ولی کی وجہ سے میں نے اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا، یا اس کی طرف سے میرے ساتھ جنگ کا اعلان ہے گویا کہ وہ میرے مقابلہ میں لڑنے والا ہے۔ ائمہ فرماتے ہیں کہ معاصی میں یہ اور سود کو چھوڑ کر باقی کوئی ایسی معصیت نہیں جس کے ارتکاب کرنے والوں کو اللہ کے ساتھ تحارب کی وعید دی گئی ہو۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ﴾ ترجمۂ کنز العرفان: پھر اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے لڑائی کا یقین کر لو۔ [21] اور یہ وعید اِن دو گنا ہوں کے زیادہ خطرناک ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ کے بندے کی مخالفت کا مطلب یہی ہے کہ انجام برا ہو گا اس لئے اللہ جس کے ساتھ اعلان جنگ فرما لے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا۔

(وما تقرب إلی عبدی): أی: المؤمن وآثرہ؛ لأن من شأن العبد التقرب إلی سیدہ لأنواع خدمته وأصناف طاعته (بشیء): من الأعمال (أحب إلی مما افترضت): أی: من أداء ما أوجبت (علیه) أی: من امتثال الأوامر واجتناب الزواجر، وقوله: (أحب) یقتضی أن تکون وسائل القرب کثیرة، وأحبها إلی الله أداء الفرائض، فیندرج فیها النوافل ولذا قال: (وما یزال عبدی): أی: القائم بقرب الفرائض (یتقرب): أی: یطلب زیادة القرب.

21...پ3، البقرۃ: 279

قولہ: وما تقرب الی عبدی. یعنی مؤمن بندہ، وصفِ عبدیت کی ترجیح اس وجہ سے ہے کہ عبدیت کی شان یہ ہے کہ عبد اپنے آقا کی طرف طرح طرح کی خدمت وطاعت کے ذریعہ قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ (بشیء) کوئی بھی عمل کر کے (احب الی مما افترضت) یعنی جو کچھ میں نے لازم قرار دیا اس کو ادا کر کے۔ (علیہ) یعنی اوامر کی تعمیل کرنا اور زواجر سے اجتناب و پرہیز کرنا اور ''احب'' کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ قرب کے بہت وسائل و ذرائع ہیں لیکن ان سب میں افضل فرائض کی ادائیگی ہے۔ تو اس قرب کے وسائل میں نوافل وغیرہ مندرج ہوں گے۔ اس لئے آگے فرمایا: (قولہ: وما یزال عبدی) جو فرائض کے قرب سے مالا مال ہو۔ (یتقرب) یعنی وہ مزید قرب طلب کر رہا ہوتا ہے۔

(إلی بالنوافل) أی: بقرب الطاعات الزوائد علی الفرائض (حتی أحببته): وفی نسخة: حتی أحبه، أی: حبا کاملا لجمعه بین الفرائض والنوافل، خلاف ما یوهم کلام الطیبی أن قوله: ما یزال بیان أن حکم بعض المفضل علیه الذی هو النافلة هذه المثابة، فما الظن بالمفضل الذی هو الفرائض؟ (فکنت سمعه): وفی نسخة صحیحة: فإذا أحببته کنت سمعه وقال ابن حجر: والذی فی الأصول المشهورة: حتی أحببته فکنت سمعه، (الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به): بضم الیاء (ویده التی یبطش بها): بکسر الطاء أی: یأخذ.

(الی بالنوافل) یعنی فرائض وہ واجبات سے زائد طاعات کے قرب کے ساتھ۔ (حتی أحببته) اور ایک نسخہ میں ''حتی احبہ'' کے الفاظ ہیں اور یہاں محبت سے مراد کامل محبت ہے جو فرائض و نوافل کو جمع کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے یہ تفصیل

اس کے بر خلاف ہے۔ جو امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے وہ یہ کہ "ما یزال" میں اس بات کا بیان ہے کہ مفضل علیہ یعنی نوافل کا جب یہ حال ہے تو مفضل یعنی فرائض کا پھر کیا کہنا!

قولہ: (فکنت سمعہ) اور ایک صحیح نسخہ میں ہے: (فاذا احببتہ کنت سمعہ) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مشہور مآخذ کے اندر "حتی احببتہ فکنت سمعہ" کے الفاظ ہیں۔ یُبصر یا کے پیش کے ساتھ ہے جبکہ یبطش "طا" کے کسرہ کے ساتھ بمعنیٰ پکڑنے کے۔

(بها ورجله التي يمشي بها). قال الخطابي: أي: يسرت عليه أفعاله المنسوبة إلى هذه الآلات، ووفقته فيها، حتى كأني نفس هذه الآلات، وقيل: أي: يجعل الله حواسه وآلاته وسائل إلى رضائه فلا يسمع إلا ما يحبه الله ويرضاه، فكأنه يسمع به إلخ. وقيل: أي: يجعل الله سلطان حبه غالبا عليه حتى لا يرى إلا ما يحبه الله، ولا يسمع إلا ما يحبه، ولا يفعل إلا ما يحبه، ويكون الله سبحانه في ذلك له يدا وعونا ووكيلا يحمي سمعه وبصره ويده ورجله عما لا يرضاه. وقيل: معناه كنت أسرع إلى قضاء حوائجه من سمعه في الاستماع، وبصره في النظر، ويده في اللمس، ورجله في المشي، ويمكن أن يكون المعنى إذا تقرب إليه بما افترض عليه، وزاد في التقرب بالنوافل المكملات للفرائض، ومن جملتها دوام الذكر الموصل إلى حضور الوصول، وسرور الحصول، ومقام الفناء عن نفسه، والبقاء بربه، ظهر له آثار محبته الأزلية وانكشف له أنوار قربته الأبدية، فرأى أن ما به من الكمال من السمع والبصر وقوة القوى إنما هو من آثار سمعه وبصره وقدرته وقوته، وأما هو فعدم محض فلا يرى في الدار غيره ديار.

(بها و رجله التی یمشی بها) امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ان آلات کی طرف منسوب کاموں کو اس کیلئے سہل بنا دیتا ہوں اور میں اسے اس طرح توفیق بخشتا ہوں کہ گویا کہ میں ہی یہ آلات ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ:(اس کا مطلب یہ ہے کہ) اللہ اس کے حواس اور آلات کو اپنی رضا کے وسائل و ذرائع بنا دیتا ہے پس وہ وہی سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہو اور اس سے راضی ہوتا ہو لہٰذا یہ ایسا ہو گا جیسے اللہ ہی اس کے سننے کا آلہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی محبت اس پر غالب کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ نہیں سنتا اور دیکھتا مگر وہی جو اللہ پسند کرتا ہو اور وہ نہیں کرتا مگر وہی جو اللہ کو پسند ہو۔ اور ان امور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا مؤید معاون اور وکیل ہوتا ہے۔ وہ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کو ان تمام کاموں سے محفوظ رکھتا ہے جو اللہ پاک کی ناراضگی کا باعث بنے۔ ایک قول یہ ہے کہ (اس کا مطلب یہ ہے کہ) کہ میں اس کی حاجت روائی میں اس کے کانوں کے سننے، آنکھوں کے دیکھنے، ہاتھوں کے چھونے اور پاؤں کے چلنے سے زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ: جب فرائض کی ادائیگی کے ذریعے قرب حاصل کرتا ہے اور نوافل وغیرہ جو فرائض کے مکملات ہیں ان کے ذریعے قرب میں ترقی کرتا ہے۔ من جملہ ان میں سے ذکر پر مداومت ہے وہ وصول کے مشاہدہ اور حصول کے خوشیوں اور مسرتوں کا سبب ہے اور فنا عن النفس اور بقابربہ کا مقام ہے۔ تو اس کیلئے اللہ کی ازلی محبت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور اس کے ابدی قرب کے انوار اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں اور پھر اسے یہ حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ سننے، دیکھنے کی قوت اور دیگر تمام قوتیں دراصل اللہ کے دیکھنے،

سننے اور دیگر قوتوں کا پرتو ہے، اور رہی اپنی ذات، تو وہ ہے ہی نہیں، پس وہ جہاں میں اللہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔

وقال ابن حجر: فلا يسمع شيئا ولا يبصر ولا يبطش ولا يمشي، إلا وشهد أني الموجد لذلك والمقدر له، فيصرف جميع ما أنعمت به عليه إلى ما خلق لأجله من طاعتي، فلا يستعمل سمعه وغيره من مشاعره إلا فيما يرضيني ويقربه مني، فلا يتوجه لشيء إلا وأنا منه بمرأى ومسمع، فأنا له عين ويد ورجل وعون ووكيل وحافظ ونصير، كما هو جلي عند أئمة العرفان دون غيرهم، إذ لا يؤمن عليهم لضيق العبادة عما يوهم لغير ذوي الإشارة من الأغاليط التي هي الحلول والاتحاد والانحلال عن رابطة الشرع الملجئة إلى مضايق الضلال.

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جو سنتا ہے، جو دیکھتا ہے، جو پکڑتا ہے جو چلتا ہے تو اس احساس اور دھیان کے ساتھ کہ ان سب کا ایجاد کنندہ اور قدرت دینے والا بس وہی (اللہ پاک) ہے۔ پس وہ میرے ان تمام انعامات کو جو اس پر ہوئے ہوتے ہیں کو بس اسی طرف پھیرتا ہے جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے یعنی اللہ کی اطاعت کی طرف۔ پس وہ اپنے کان اور دیگر حواس کو بس میری رضا جوئی اور قرب میں استعمال کرتا ہے۔ پس وہ جس چیز کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے تو اس کے دیکھنے اور سننے کا مقام و مرکز میں ہی ہوتا ہوں۔ پس میں ہی اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، معاون کارساز محافظ اور مددگار ہوتا ہوں۔ یہ حقیقت بس اہل معرفت پر کھل سکتی ہے۔ رہے ان کے علاوہ لوگ تو عبارت کے اختصار کی وجہ سے ان سے ان توہمات اور مغالطوں کے خطرات موجود ہیں جو ناحقیقت شناس لوگوں کو ہوتے ہیں مثلاً حلول واتحاد و

غیرہ قسم کے لغویات۔ اور شریعت کے طوق کو اتار کر ضلالت کی تنگیوں میں جا گھسنا۔

ومن هذا يتضح لك قاعدة مهمة وهي: أن ما أشكل عليك من عبارات الأولياء فإن أمكن تأويلها فبادر إليه كقول أبي يزيد: ليس في الجبة غير الله، فإن لم يمكن فإن صدرت في مقام غيبة فلا حرج على قائلها؛ لأنه غير مكلف حينئذ، وكذا إن وقع الشك في ذلك، وإن صدرت مع تحقق صحوه أقيم عليه حكمها الشرعي، إذ الولي ليس بمعصوم، والمحفوظ ربما فرط منه ما عوتب به ثم عاد إليه حاله (وإن سألني لأعطينه): بالتأكيد، وفي التعبير (بأن) دون (إذا) إيماء إلى أنه قد يصل إلى مقام يترك فيه السؤال اتكالا على علمه بالحال، أو لأنه لا يطلب غير الملك المتعال.

اس تفصیل سے ایک اہم قاعدہ واضح ہو رہا ہے وہ یہ کہ اولیاء اللہ کی عبارات میں سے اگر کسی میں اشتباہ ہو جائے تو اگر اس کی تاویل کرنا ممکن ہو تو دیر مت کر جیسے حضرت سیدنا طیفور بن عیسیٰ المعروف بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: (ليس في الجبة غير الله یعنی اس جبے میں اللہ پاک کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔) اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اگر وہ کلمہ ولی اللہ سے جذب کی کیفیت میں صادر ہوا ہو تو اس قائل پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت مکلف ہی نہیں، یونہی اگر اس بات میں شک ہو کہ وہ کلمہ ان سے کس کیفیت میں صادر ہوا ہے تو بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر وہ اس کے ہوش وحواس کے قیام کی حالت میں ہوا ہو تو پھر اس پر اس کا شرعی حکم لاگو کیا جائے گا کیونکہ ولی معصوم نہیں ہوتا محفوظ ہوتا ہے۔ اور محفوظ سے بھی کبھی ایسے امور کا صدور ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے اس پر عتاب ہو جاتا ہے اور پھر سے وہ اپنی حالت پہ ہو جاتا ہے۔

قوله: وان سالني لأعطينه لاعيذنه: تاکید کے صیغے کے ساتھ۔ "اذا" کے بجائے "ان"

سے تعبیر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کبھی وہ ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اس بھروسہ سے سوال ترک کرتا ہے کہ اللہ اس کے حال سے واقف ہے اور یا اس لئے کہ اسے اس برتر بادشاہ کے علاوہ کی طلب ہوتی ہی نہیں۔

(ولئن استعاذنی):قال العسقلانی:ضبطناہ بوجھین الأشھر بالنون بعد الذال المعجمة، والثانی بالموحدة(لأعیذنه):أی:مما یخاف من البعد(وما ترددت عن شیء أنافاعله ترددی عن نفس المؤمن) : وفی نسخة: عن قبض نفس المؤمن، وقال ابن حجر: کما فی روایة قیل: التردد ھو التخییر بین أمرین لایدری أیھما أصلح، وھو محال علی اللہ سبحانه، فأولوہ علی تردید الأسباب والوسائط، وجعلوا قصة موسی۔علیه الصلاة والسلام۔ مع ملك الموت سندا لقولھم.

(وان استعاذنی)حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ دو طریقوں کے ساتھ ضبط ہے، اول دال کے بعد "نون" کے ساتھ، دوم ذال کے بعد "با" کے ساتھ، اول الذکر زیادہ مشہور ہے۔(لاعیذنه)یعنی اس بعد سے جس کا اسے خطرہ ہے۔

قوله:وما ترددت عن شی وانا فاعله ترددی عن نفس المؤمن:اور ایک نسخہ میں اس کے بجائے (عن قبض نفس المؤمن) ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جیسے ایک روایت میں وارد ہے۔ کہتے ہیں کہ "تردد" دو کاموں میں اس طرح کے تحیر کو کہا جاتا ہے جس میں یہ نہ سوجھے کہ کسے اختیار کیا جائے؟ اس معنٰی میں اس کا ذاتِ باری پر اطلاق ممتنع ہے لہٰذا علماء نے اس میں تاویل کرتے ہوئے اس کو تردید اسباب و وسائط پر محمول کیا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کے ساتھ قصہ کو اپنے مؤقف کی دلیل بنایا ہے۔

وقیل: المراد من لفظ التردد إزالة کراهة الموت عن المؤمن. مما یبتلیه الله به من المرض والفاقة وغیرها، فأخذه المؤمن عما تشبث به من حب الحیاة شیئا فشیئا بالأسباب التی ذکرنا یشبه فعل المتردد من حیث الصفة، فعبر عنه بالتردد.

ایک قول یہ ہے کہ لفظ ”تردد“ سے مراد ہے مومن سے موت کی ناپسندیدگی کو دور کرنا، اس طرح کہ اللہ پاک اسے بیماری، فاقے وغیرہ میں مبتلا فرماتا ہے، تو ان اسباب کے ذریعے مومن آہستہ آہستہ زندگی کی محبت سے دور ہوتا جاتا ہے۔

وقال القاضی: التردد تعارض الرأیین وترادف الخاطرین، وهو وإن کان محالا فی حقه تعالی إلا أنه أسند إلیه باعتبار غایته ومنتهاه الذی هو التوقف والتأنی فی الأمر، وکذلك فی سائر ما یسند إلی الله تعالی من صفات المخلوقین کالغضب والحیاء والمکر، والمعنی ما أخرت وما توقفت توقف المتردد فی أمر أنا فاعله إلا فی قبض نفس عبدی المؤمن، أتوقف فیه وأریه ما أعددت له من النعم والکرامات حتی یسهل علیه ویمیل قلبه إلیه شوقا إلی أن ینخرط فی سلك المقربین، ویتبوأ فی أعلی علیین.

قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 685ھ) فرماتے ہیں: ”تردد“ دو رایوں اور خیالوں کے تعارض اور آگے پیچھے آنے کو کہتے ہیں۔ یہ اگرچہ اللہ کے حق میں محال و ناممکن ہے لیکن اپنی غایت و انتہاء کے اعتبار سے جو کہ توقف اور آہستگی اختیار کرنا ہے اس کے اعتبار سے اس کا اطلاق اس ذاتِ اقدس پر کرنا درست ہے۔ یہی حال ان تمام صفات کے اطلاق کا ہے جو مخلوق کی صفات ہیں مثلاً غضب، حیاء اور مکر وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی کام جسے میں سر انجام دیتا ہوں میں کسی امر میں متردد شخص کی طرح نہیں رکا اور توقف نہیں کیا جس طرح کا توقف میں اپنے

مومن بندے کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں۔ میں اس کی روح قبض کرنے میں توقف کرتا ہوں اور اسے وہ راحتیں نعمتیں اور اعزازات دکھاتا ہوں جو میں نے اس کیلئے تیار کر رکھی ہے، تاکہ موت اس کیلئے سہل دکھائی دے اور اس کا دل اللہ کی طرف مائل ہو جائے اس اشتیاق میں کہ وہ مقربین کی لڑی میں پرو دیا جائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ پائے۔

(يكره الموت): استئناف جوابا عما يقال: ما سبب التردد؟ والمراد أنه يكره شدة الموت بمقتضى طبعه البشري؛ لأن نفس الموت تحفة المؤمن يوصله إلى لقاء الله، فكيف يكرهه المؤمن؟ (وأنا أكره مساءته): قال ابن الملك: أي: إيذاءه بما يلحقه من صعوبة الموت وكربه، وقال ابن حجر: أي: أكره ما يسوءه؛ لأني أرحم به من والديه، لكن لا بد له منه لينتقل من دار الهموم والكدورات إلى دار النعيم والمسرات، فعلته به إيثارا لتلك النعمة العظمى والمسرة الكبرى، كما أن الأب الشفوق يكلف الابن بما يكلفه من العلم وغيره، وإن شق عليه نظرا لكماله الذي يترتب على ذلك اهـ. وهو خلاصة كلام الطيبي.

قوله :يكره الموت: یہ جملہ مستانفہ ہے یہ اس سوال کے جواب میں ہے کہ اس تردد کا سبب کیا ہے؟ اور مراد یہ ہے کہ وہ موت کی شدت کو بتقاضائے بشری ناپسند کرتا ہے تاہم نفس موت تو اس کیلئے ایک بیش بہا تحفہ ہے جو اس کے اور اللہ کے مابین ملاقات کا ذریعہ ہے تو پھر اسے ناگواری کیسی؟

(وانا اکرہ مساءتہ) علامہ ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی موت کی اذیت و پریشانی کی وجہ سے جو ایذا اسے پہنچتی ہے اس کی ناپسندیدگی کو۔ حافظ ابنِ حجر

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس تکلیف دینے والی چیز کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ میں اس کے ساتھ اس کے والدین سے بھی بڑھ کر شفیق ہوں لیکن موت سے تو چارہ نہیں کیونکہ یہ غموں اور کدورتوں کی جگہ سے نعمتوں اور خوشیوں کے گھر میں منتقل ہونے کیلئے ناگزیر ہے۔ میں اسے اس نعمتِ کبریٰ اور بڑی خوشی سے سرفراز کرنے کی خاطر اس ناگواری سے دوچار کرتا ہوں۔ جس طرح ایک مشفق باپ اپنے بیٹے کو تعلیم کی سختیوں اور کلفتوں میں ڈالتا ہے اس کمال کے پیشِ نظر جو اس سے وابستہ ہے اگرچہ یہ بیٹے کو ناگوار ہوتا ہے۔ یہ امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

وحاصل كلامهم أن إضافة المساءة من باب إضافة المصدر إلى مفعوله، وفيه أنه لو كرهه تعالى لما وجد في الخارج، إذ وجود الأشياء بقدرته وهو متوقف على إرادته، ولا مكره له تعالى في إبداء مصنوعاته، فالظاهر أن الإساءة مضافة إلى فاعله، وهو لا ينافي إرادته، كما حقق في محله الفرق بين المشيئة والإرادة والرضا والكراهة، فإن بعض المراد مكروه غير مرضي، بالمعنى أكره مساءته لكراهته الموت، فإنه لا ينبغي أن يكره الموت بل يحبه، فإن من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه، ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه، وفي نسخة صحيحة: ولا بد له منه. وكذا في أصل ميرك، وهو كذا في شرح المصابيح لابن الملك، وقال ابن حجر كما في رواية: والمعنى، ولا بد للمؤمن من الموت فلا معنى للكراهة، أو ولهذا لا أدفع عنه الموت، قال تعالى: ﴿فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــٴًـا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا(۱۹)﴾[22]

22...بخاری،

ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مساء کی اضافت از قبیل اضافۃ المصدر الی مفعولہ ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر یہ اللہ پاک کو ناپسند ہے تو پھر خارج میں اس کا وجود نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کا وجود اللہ کی قدرت سے ہے اور وہ اللہ کے ارادے پر موقوف ہے اور اللہ کو اشیاء کی ایجاد میں کوئی مجبور کرنے والا تو ہے ہی نہیں۔

لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ "مساءۃ" کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہو اور یہ اللہ کے ارادے کے منافی نہیں، چنانچہ اپنے مقام پر ارادے اور مشیت اور رضا و کراہت کے درمیان فرق واضح ہو چکا ہے۔

چنانچہ بعض مراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو ناپسندیدہ ہوتے ہیں، مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس کی موت کی کراہت کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس لئے کہ موت کو ناپسند کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کے ساتھ محبت کرنی چاہئے کیونکہ جو اللہ کے ساتھ ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ اس کے ساتھ ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔ اور ایک صحیح نسخہ میں اس طرح ہے: (ولا بد له منه یعنی اسے موت آنا ضروری ہے)۔ علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ کے اصل نسخہ میں اس طرح ہے۔ نیز ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح المصابیح میں بھی اس طرح ہے۔ اور حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جیسے ایک روایت میں ہے: اور مطلب یہ ہے کہ مؤمن کیلئے موت ایک ناگزیر حقیقت ہے اس لئے ناگواری چہ معنٰی دارد! یہی وجہ ہے کہ میں موت کو مؤمن بندے سے دور نہیں کرتا۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے: ﴿فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا(۱۹)﴾ ترجمہ کنزُالعِرفان: تو ہو سکتا ہے

کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔[23]

قيل: آخر الحديث في كتاب البخاري، والحميدي، وجامع الأصول، وشرح السنة، وليس فيها: (فإذا أحببته) كما في نسخ المصابيح، ولا زيادة لفظ (قبض) عند قوله: عن قبض نفس المؤمن، ولا قوله: ولا بد له منه في آخر الحديث، والمذكورات وردت في حديث روى أنس نحوه في شرح السنة.

کہتے ہیں کہ حدیث کا یہ آخری حصہ کتاب بخاری، حمیدی، جامع الاصول اور شرح السنہ میں ہے۔ ان میں "فاذا احببته" کے الفاظ نہیں جس طرح مصابیح کے نسخوں میں ہیں، اسی طرح "نفس المؤمن" کے شروع میں قبض کا لفظ نہیں اور حدیث کے آخر میں "ولا بد له منه" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جو شرح السنہ میں ہے۔[24]

شرح حدیث نمبر:8

فقیہِ اعظم ہند، استاذُ العلماء، شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریفُ الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ (الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ہند) اس حدیث شریف کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

یہ حدیثِ قدسی ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اللہ پاک سے بلاواسطہ اخذ فرمایا ہو، یا تو کلامِ ربّانی سُن کر عالمِ بیداری میں یا عالمِ خواب میں یا اللہ پاک نے اپنے ان کلمات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک میں القا فرمایا ہو، اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ ارشادِ ربانی

23...پ4، النساء:19

24...مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 4/1544 تا 1546، رقم الحدیث: 2266

بواسطۂ جبریل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک پہنچا ہو۔

قَوْلُہ: مَنْ عَادٰی وَلِیًّا۔۔۔ اس حدیث میں عَادٰ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جو مشارکت چاہتا ہے لیکن یہاں مشارکت مراد نہیں، جیسے آیت کریمہ: **سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ** (25) میں۔ اسی حدیث سے اہلِ باطن نے استخراج فرمایا کہ اگر کوئی شخص از خود ظالموں سے بدلہ نہ لے صبر کرے تو اللہ تعالیٰ ظالموں کو ضرور سزا دیتا ہے، اس کے نظائر بکثرت ہیں۔

ولی: وہ مومن عارف باللہ ہے جو طاعات کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے اور محرمات سے بچتا رہے، وہ بھی اللہ کی رضا کے لیے نہ کہ عزت و شہرت حاصل کرنے کے لیے اور دکھاوے کے لیے، اس لیے جو شریعت کا پابند نہیں وہ ولی نہیں ہو سکتا، اگرچہ ہوا میں اڑے۔ جوگی جے پال حالتِ کفر میں قادر تھے کہ اپنے حریف پر پتھر برسائیں، آگ برسائیں، خود ہوا میں اڑیں، کیا اس وقت وہ ولی تھے؟

ارشاد ہے: **اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ** یعنی اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔(26)

قَوْلُہٗ: وَمَا تَقَرَّبَ... اس سے ثابت ہوا کہ فرائض کی پابندی اور ادائیگی بہ نسبت نوافل کے افضل ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ فرائض ادا کرنے میں ثواب کی امید ہے اور ترک میں عذاب کا استحقاق اور نوافل کی ادائیگی میں ثواب کی امید اور ترک پر کوئی گناہ نہیں۔ نیز فرائض مامور بہ ہیں، ان کا ادا کرنے والا تابعِ فرمان ہے۔ اس میں آمر کی عظمت ظاہر ہے، اس میں عبودیت کا تذلل بھی ہے۔ نیز فرائض اصل ہیں اور نوافل فرع، حتی کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ جو فرائض ترک کیے ہو اور نوافل ادا

25...پ4، آل عمران:133

26...پ9، الانفال:34

کرے تو اس کے سارے نوافل زمین و آسمان کے درمیان معلق رہیں گے، مقبول نہ ہوں گے۔ اسی لیے علماء نے فرمایا: جس کے فرائض قضا ہو گئے ہوں وہ بجائے نوافل کے فرائض کی قضا کرے۔

قَوْلُهٗ: وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ... اس سے مراد یہ ہے کہ فرائض کی کماحقہ ادائیگی کے بعد نوافل کی ادائیگی کرتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑے اور نوافل ادا کرے پھر بھی محبوب ہو گا، اس لیے کہ جو فرائض چھوڑے گا فاسق ہو گا، وہ محبوب کیسے ہو گا۔ نوافل چونکہ بندہ اپنی طرف سے بخوشی ادا کرتا ہے اس لیے نوافل ادا کرنے والا محبت کا مستحق ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص خدمت پر نوکر ہے جس کی تنخواہ لیتا ہے اور متعلقہ خدمت کے سوا کچھ انجام نہیں دیتا، وہ مشاہرے کا ضرور مستحق ہے اور وہ ایک اچھا نوکر بھی کہلائے گا، مگر دوسرا نوکر متعلقہ خدمات کے علاوہ مزید اپنی خوشی سے دوسری خدمات بھی انجام دیتا ہے، یقیناً مالک اس دوسرے نوکر سے پہلے کی بنسبت زیادہ محبت کرے گا۔

قَوْلُهٗ: فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ... اور عبدالواحد کی روایت میں یہ زیادہ ہے: وفؤاده الذی یعقل به ولسانه الذی یتکلم به، اور میمونہ کی روایت میں یہ بھی زائد ہے: و قلبه اللذی یعقل به، اب پوری حدیث یہ ہوئی: میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ اس پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ اللہ پاک جسم

اور جسمانیت سے منزہ ہے۔ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ؟ اس کا تحقیقی جواب وہی ہے کہ حقیقی مراد کو اللہ پاک یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جانیں، یہ ارشادِ خدا ہے اور حق ہے اور یہی ہمارا ایمان۔

تاہم علماء نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں:

اول: یہ کہ بندہ بالکلیہ میرے ساتھ مشغول ہے تو وہ اپنے کان سے صرف انہیں باتوں کو سنتا ہے جو مجھے پسند ہیں اور اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کا دیکھنا مجھے پسند ہے۔ یوں ہی اپنے ہاتھ میں صرف انہیں چیزوں کو لیتا ہے جن کی میں نے اجازت دی ہے اور وہیں جاتا ہے جہاں جانے کو میں نے اس کے لیے روا رکھا ہے اور زبان سے وہی نکالتا ہے جو حق ہے اور وہی سوچتا ہے جو میری مرضی ہوتی ہے۔

ثانی: میں اس کو اس کے تمام مقاصد عطا فرماتا ہوں گویا وہ اپنے مقاصد کو اپنے جوارح سے حاصل کرلیتا ہے۔ یہ توجیہ حدیث کے آخری حصے "ان سالنی لاُعطینہ" اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور ضرور دوں گا، کے مطابق ہے۔

ثالث: میں اس کی مدد فرماتا ہوں جیسے اس کے اعضاء اس کے کام میں لگے رہتے ہیں۔

رابع: اس حدیث میں مصدر بمعنٰی اسم مفعول ہے، معنٰی یہ ہوئے کہ میں اس کا مسموع ہو جاتا ہوں کہ وہ صرف میرا ذکر سنتا ہے اور میری یاد سے لذت پاتا ہے اور مجھ سے مناجات میں انسیت پاتا ہے اور ہاتھ انہیں چیزوں کی طرف بڑھاتا ہے جس میں میری رضا ہے اور وہیں جاتا ہے جہاں جانا مجھے پسند ہے۔

خامس: طوفی نے کہا: علمائے معتمدین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ کنایہ ہے بندے کی مدد اور اعانت کرنے سے۔ تمثیلاً فرمایا کہ جیسے کوئی دشمن کسی پر حملہ کرے

تو بے اختیار اس کے جوارح اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اسی طرح بلاتمثیل میں اپنے بندے کی مدد فرماتا ہوں اگرچہ وہ درخواست نہ کرے، اس میں بعض معنی بعض کی طرف راجع ہیں لیکن بنظرِ دقیق کچھ فرق بھی ہے۔

سادس: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ کہف کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ پاک اس کی قوتِ سماعت اتنی قوی کر دیتا ہے کہ بلند و پست، نزدیک و دور کی آوازیں سنتا ہے اور اس کی آنکھ میں اتنی نورانیت پیدا فرما دیتا ہے کہ قریب و بعید کی سب چیزیں دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اتنی قوت پیدا کر دیتا ہے کہ نرم اور سخت، ہموار اور پہاڑ اور دور و نزدیک میں تصرف کرتا ہے۔

اس معنیٰ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے: فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یَبْصُرُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ۔

سابع: مراد یہ ہے کہ جس قدر جلد اس کا کان سنتا ہے اور اس کی آنکھ دیکھتی ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں چلتا ہے، اس سے بھی جلد میں اپنے ایسے بندوں کی حوائج کو پورا کرتا ہوں۔

ثامن: بعض متأخر صوفیہ نے فرمایا کہ یہ تعبیر ہے مقامِ فناء اور محو سے جو سلوک کی انتہائی غایت ہے۔

قَوْلُہٗ وَمَا تَرَدَّدتُ عَنْ شَيْءٍ... اس کا ظاہر مطلب یہ نکلتا ہے کہ اللہ پاک اس تردد میں رہتا ہے کہ بندے کو موت دے یا شفا دے، مگر یہ معنیٰ کسی طرح صحیح نہیں۔ تردد اسے ہوتا ہے جو قادر نہ ہو اور اسے انجام کا حال معلوم نہ ہو، اللہ پاک پر یہ محال ہے۔ پھر جب موت کا وقت مقرر ہے، یہ وقت موعود آجائے گا تو نہ ایک سیکنڈ ادھر

ہو گانہ اُدھر، پھر اس میں تردد کیسا؟

علامہ خطابی نے اس کی دو تاویلیں کیں: پہلی یہ کہ بندہ کبھی بیماری وغیرہ کی وجہ سے موت کے قریب ہو جاتا ہے، اس حال میں اللہ سے دعا کرتا ہے، اللہ اسے شفا دے دیتا ہے اور اس کی تکلیف دور کر دیتا ہے۔ پہلے اس حال میں مبتلا کرنا کہ وہ موت کے قریب پہنچ گیا، پھر اس کو شفا دینا، دونوں من جانب اللہ ہیں۔ تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے کوئی شخص کسی معاملے میں متردد ہے کہ ایک کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے پھر اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرا کام بہتر ہے، اسے چھوڑ کر دوسرا اختیار کرتا ہے۔ پہلے بلا نازل کی کہ ہلاک کے قریب پہنچ گیا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ اسے زندگی سے محروم کرنا چاہتا ہے، پھر شفا دیتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ زندہ رکھنا چاہتا ہے، اس کو تردد سے تعبیر فرمایا حالانکہ تردد نہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ اللہ پاک کا اپنے محبوب بندوں پر اپنی رحمت اور خصوصی کرم کا اظہار کرنا ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ دنیا سے منتقل ہو کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تاکہ وہ دنیا کے رنج و محن سے چھٹکارا حاصل کر کے میری بارگاہ میں آکر ابدی راحت اور سرمدی عیش میں رہے، مگر چونکہ وہ بتقاضائے طبعی موت کو ناپسند اور زندگی کو پسند کرتا ہے تو میں اس کی زندگی کے مطابق چھوڑ دیتا ہوں۔

ایک توجیہ یہ ہے کہ میں بندے کے کسی معاملے میں متردد شخص کی طرح توقف نہیں کرتا ہوں سوائے محبوب بندے کی روح کے قبض کرنے میں کہ میں اس میں اس حد تک توقف کرتا ہوں جب تک وہ موت کا مشتاق نہ ہو تاکہ اس کے سبب مقربین کے گروہ میں شامل ہو کر اعلیٰ علیین میں جگہ پائے۔

ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ تردد سے مراد لطائف کے ذریعے موت کی کراہیت کو دور کرنا ہے مثلاً مرض، انتہائی بڑھاپے، فاقہ اور شدتِ بلا سے پریشان ہوکر دنیا کی مفارقت آسان ہوجائے اور وہ اس کا امیدوار ہوجائے جو خدا کے نزدیک ہے اور دارِ کرامت و نعیمِ باقی کا اس کے دل میں شوق پیدا ہوجائے، اسی کو اللہ پاک نے تردد سے تعبیر فرمایا۔

یہ سب توجیہات و تاویلات ہیں اور بنیادی بات وہی ہے جو ہم نے شروع میں تحریر کی کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، جیسے تقرب، سمع، بصر، رجل ہے اسی طرح یہ تردد بھی ہے۔

اس کی حقیقی مراد کیا ہے یہ اللہ پاک جانے یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم جانیں۔ہم بندوں کو راسخین فی العلم کی طرح یہی کہہ کر گزر جانا چاہیے:

اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

قَوْلُہٗ: یَکْرَہُ الْمَوْتَ۔۔۔ موت کی ناپسندیدگی نزع کی تکالیف کی وجہ سے ہے۔ نزع کی تکلیف کا عالم کیا ہے اس کو ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا، تلوار کے سو زخموں سے زیادہ تکلیف دہ نزع کا ایک جھٹکا ہے۔ حضرت سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے جاں کنی کے عالم میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: سانس لینے میں اتنی تنگی ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ میں سوئی کے سوراخ سے سانس لے رہا ہوں اور گویا کہ کانٹے کی شاخ میری کھوپڑی سے پیر تک گھسیٹی جارہی ہے۔

گلستاں میں ہے کہ جاں کنی کی حالت میں ایک شخص سے پوچھا گیا کہ کیا حال

ہے ؟ تو اس نے کہا کہ اگر تمہارا کوئی دانت اکھاڑا جائے تو تمہارا کیا حال ہو گا۔ اب جب کہ میرے جسم سے روح کھینچی جارہی ہے تو میرا کیا حال ہو گا۔

تو حدیث کے اس حصے کا مطلب یہ ہو گا کہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی یہ ناپسند کرتا ہوں اور اس کی موت کو مؤخر کر دیتا ہوں، لیکن چونکہ کسی کو دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں اس لیے جب وقت موعود آجاتا ہے تو اٹھالیتا ہوں۔ یہ حصہ حقیقت میں سبب ہے اس تردد کا جو پہلے مذکور ہوا۔

اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے جو بالکل ظاہر ہے جس کی طرف پہلے اشارہ بھی ہو چکا کہ بندہ بتقاضائے بشری موت کو ناپسند کرتا ہے اور وہ مرض یا درازئ عمر، نقاہت و کمزوری کی وجہ سے اس کو جو اذیتیں پہنچتی ہیں اس کو میں ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے دنیا سے اٹھالوں مگر چونکہ بندہ دنیا میں رہنے کو پسند کرتا ہے تو اس کی پسند کو ترجیح دیتے ہوئے اسے دنیا میں رہنے دیتا ہوں۔

ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے: چونکہ دنیا اللہ پاک کے جمال و کمال کی مظہر ہے، وہ ذرے ذرے میں اللہ پاک کا جلوہ دیکھتا ہے تو زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ دنیا کے آئینہ خانہ میں اللہ پاک کا جلوہ دیکھتا رہے اور اللہ پاک کو یہ گوارا نہیں کہ محبوب کی دل شکنی ہو اس لیے اللہ پاک اس کو دنیا میں باقی رکھتا ہے لیکن اللہ پاک کو یہ پسند نہیں کہ میرا محبوب دنیا کے رنج و محن میں گرفتار رہے لیکن اللہ پاک اپنے محبوب کو اس کی مرضی کے مطابق زندہ رکھتا ہے اور جب بندوں کی نظروں سے یہ حجاب اٹھ جاتا ہے کہ آئینے میں جلوہ دیکھنے میں وہ لطف کہاں جو بلاواسطہ جلوہ دیکھنے میں ہے تو خود اسے موت کا شوق ہو جاتا ہے تو پھر میں اسے موت دیتا ہوں۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ بندے کی دو حالتیں ہوتی ہیں: ابتداءً وہ موت کو ناپسند کرتا ہے مگر اخیر وقت میں اس بنا پر کہ موت ایک پُل ہے جو محبوب کو محب تک پہنچاتا ہے تو موت کو پسند کرنے لگتا ہے جیسا کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اخیر عمر مبارک میں اپنی موت کے لیے دعا مانگی تھی۔ (27)

شرح حدیث نمبر:9

استاذ العلماء، ملک المدرسین، حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت لکھتے ہیں:

خلاصۂ حدیث شریف یہ ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

جو انسان میرے ولی کے ساتھ عداوت اور دشمنی رکھتا ہے (وہ میرا دشمن ہے) اور میں نے اس سے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ اور میرا بندہ فرض کی ادائیگی سے جتنا میرا قرب حاصل کرتا ہے دوسرے کسی عمل سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتا، (فرض کی ادائیگی کے بعد) وہ نفلی عبادت سے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اور درجۂ محبوبیت کے بعد میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر کسی شے سے پناہ مانگتا ہے تو میں یقیناً اس کو پناہ دیتا ہوں۔ اور کسی کام میں مجھے تردد نہیں ہوا (کہ یہ کام کروں یا نا؟)

27...نزہۃ القاری، ج5، ص666 تا 673

البتہ ایک مقام پر مجھے تردد ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں میرے بندے کی موت کا وقت آجاتا ہے اور وہ اس کو مکروہ جانتا ہے (ابھی مرنا نہیں چاہتا تاکہ اپنے رب کی مزید عبادت کرلے) اور میں اپنے بندے کی اس ناراضگی کو مکروہ جانتا ہوں (یعنی جس چیز کو میرا بندہ پسند نہیں کرتا میں اس کو مکروہ جانتا ہوں، لیکن چونکہ تقدیر میں موت کا وقت آچکا ہے لہٰذا) اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس حدیثِ پاک سے چند فوائد حاصل ہوئے:

فائدۂ اول

یہ کہ تجسس اور تتبع کے بعد یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے صرف دو آدمیوں سے اعلانِ جنگ کیا ہے:

(1) سود خور سے، اور اس کا ذکر قرآنِ پاک میں اس انداز سے فرمایا: فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اے سود کھانے والو! خدا اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی اور جنگ کا یقین کرلو اور جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔[28]

(2) اس آدمی سے اعلان جنگ کیا گیا ہے جو اللہ پاک کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیثِ پاک سے معلوم ہوا ہے۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ جس طرح محبت کا تعلق دل سے ہوتا ہے اسی طرح عداوت اور دشمنی کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وعید سے بچنے کے لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں جھانکے۔ کیا کسی وَلیُّ اللہ کی عداوت تو اس میں موجود

28...پ3، البقرۃ:279

نہیں؟ اللہ پاک تمام لوگوں کو ان نام نہاد مسلمانوں کے شر سے بچائے جو اولیاء اللہ کا احترام اور ان کی تعظیم کو شرک سے تعبیر کر کے رات دن اولیاء اللہ سے متنفر کرنے کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔(آمین)

تتبع کے باوجود کسی تیسرے آدمی کا علم نہیں جس سے اللہ پاک نے اعلانِ جنگ کیا ہو۔

فائدۂ دوم

مذکورہ بالا حدیث پاک میں فرائض ونوافل کو پابندی سے ادا کرنے والوں کے متعلق اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ میں ان کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں۔ اس کے متعلق علماء مفسرین و محدثین نے دو قول کتب مذہب میں نقل کئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

قولِ اول

یہ ہے کہ اس بندے کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں اللہ پاک کے حکم کے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ بندہ ان تمام اعضاء کو اسی جگہ استعمال کرتا ہے جس جگہ استعمال کرنے کا اسے حکم دیا گیا اور جہاں استعمال کرنے سے اسے اللہ پاک کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

قولِ دوم

اس کا ذکر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک کا مقبول بندہ جب طاعت و عبادات پر مداومت و مواظبت اختیار کرتا ہے تو ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کے کان

اور آنکھ بن جاتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کا نور اس کے کانوں میں آجاتا ہے اور وہ اس نور کے ذریعے قریب اور بعید سے سنتا ہے اور جب یہ نور اس کے ہاتھوں میں آجاتا ہے تو وہ اللہ کا ولی مشکل اور آسان امور میں تصرف کرتا ہے اور بعید اور قریب میں ہاتھ بڑھا کر مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔

حدیث شریف کے متعلق مفسرین و محدثین کے جو دو قول بیان کئے ہیں اہلِ سنت و جماعت ہر دو کو حق جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔ ہر دو قول میں کوئی تخالف اور تضاد نہیں ہے، یعنی ولی کے مذکورہ اعضاء اللہ پاک کے حکم کے تابع بھی ہیں اور ولی قریب و بعید سے سنتا اور دیکھتا بھی ہے اور قریب و بعید کی مشکلات کو حل بھی کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشکل اور تنگی کے وقت میں اولیاء اللہ کو پکارنا اور ان سے مدد مانگنا ازروئے حدیثِ پاک ثابت و جائز ہے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ اپنے تصرف کے ذریعے مشکلات حل فرماتے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ پاک کے نور کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس کا انکار در حقیقت اللہ پاک کی طاقت کا انکار ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ سے بغض و عداوت موجود ہے وہ اس قولِ دوم کا انکار کرتے ہیں جسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور قولِ اول کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ علماء نے حدیث پاک کا یہ معنٰی بیان کیا ہے، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ قول اول سے قولِ دوم کی نفی لازم نہیں آتی۔

فائدۂ سوم

مذکورہ بالا حدیث پاک میں جس ''تردد'' کا ذکر کیا گیا ہے اس کا حقیقی معنٰی اللہ

رَبُّ العزت کی ذات میں محال ہے۔ اس کا ذکر صرف بندوں کو سمجھانے کے لئے کیا گیا کہ جب تمہیں کسی کام میں تردد ہو جائے تو عجیب قسم کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہو کہ یہ کام کریں یا نہ کریں۔ اللہ پاک کو اپنے ولی کے ساتھ جو محبت ہے اس کو اپنے تردد پر قیاس کرلو۔ حدیثِ پاک میں تردد سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ کا ولی موت کو مکروہ جانتا ہے تو اللہ پاک اپنی تقدیر کو پورا کرنے کے لئے اس ولی پر ایسی نظرِ کرم فرماتا ہے کہ اس سے موت کی کراہت دور ہو جاتی ہے اور موت پر خوش ہو کر اللہ پاک کی تقدیر کو برضا و رغبت قبول کرتا ہے اور اس کی مساءۃ و ناراضگی جسے اللہ پاک مکروہ جانتا ہے خوشی میں بدل جاتی ہے۔ [29]

کراماتِ اولیاء کے دلائل

پہلی دلیل

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم حکایة عن رب العزة: «ما تقرب عبد إلی بمثل أداء ما افترضت علیه ولا یزال یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه فإذا أحببته کنت له سمعا وبصرا ولسانا وقلبا ویدا ورجلا بی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یمشی»

وهذا الخبر یدل علی أنه لم یبق فی سمعهم نصیب لغیر اللہ ولا فی بصرهم ولا فی سائر أعضائهم إذ لو بقی هناك نصیب لغیر اللہ لما قال أنا سمعه وبصره. إذا ثبت هذا فنقول: لا شك أن هذا المقام أشرف من تسخیر الحیة والسبع وإعطاء الرغیف وعنقود من العنب أو شربة من الماء فلما أوصل اللہ برحمته عبده إلی هذه الدرجات

29... مقالاتِ بندیالوی، 1/310

العالية فأى بعد فى أن يعطيه رغيفا واحدا أو شربة ماء فى مفازة.

ترجمہ: والذین آمنوا اشد حبا للہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کرامت کے اثبات پر عقلی دلائل دیتے ہوئے تیسری دلیل یوں دی کہ:

نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اللہ پاک سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: بندہ فرضوں کی ادائیگی کی مثل کسی اور عبادت سے میرے قریب نہیں ہوتا اور میرا بندہ میرا قرب نوافل کے ذریعے حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت، بصارت، زبان، دل، ہاتھ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں میرے ہی ذریعے وہ سنتا ہے میرے ہی ذریعے وہ دیکھتا ہے میرے ذریعے وہ بولتا ہے اور میرے ہی ذریعے وہ چلتا ہے۔ یہ حدیثِ پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاءِ کرام کی سماعتوں میں غیر اللہ کا کوئی حصہ نہیں رہتا، نہ ان کی بصارتوں میں اور نہ ان کے دیگر اعضاء میں کیونکہ اگر وہاں غیر اللہ کا کوئی حصہ رہے تو اللہ پاک یوں نہ فرمائے کہ میں ان کی سماعت و بصارت ہوں۔ جب یہ بات طے ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ مقام سانپوں درندوں کو مسخر کرنے، روٹی عطا کرنے اور انگوروں کا گچھا لینے یا پانی کا کوئی قطرہ لینے سے زیادہ معزز ہے کہ جب اللہ پاک نے اپنی رحمتِ کاملہ سے اپنے بندے کو ان درجاتِ عالیہ تک پہنچا دیا ہے تو اس بات میں کون سا بعد ہے کہ اللہ پاک اسے ایک روٹی عطا فرمائے یا بیابان میں پانی کا گھونٹ عطا فرمائے۔

دوسری دلیل

قال عليه السلام حاكيا عن رب العزة: «من آذى لى وليا فقد بارزنى بالمحاربة»

فجعل إيذاء الولى قائما مقام إيذائه وهذا قريب من قوله تعالى: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ وقال: وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا وقال: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فجعل بيعة محمد صلى الله عليه وسلم بيعة مع الله و رضاء محمد صلى الله عليه وسلم رضاء الله وإيذاء محمد صلى الله عليه وسلم إيذاء الله فلا جرم كانت درجة محمد صلى الله عليه وسلم أعلى الدرجات إلى أبلغ الغايات.

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے اللہ رب العزت کا فرمان حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جس نے میری وجہ سے میرے ولی کو اذیت دی تو اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا۔ تو اللہ پاک نے ولی کو اذیت دینا اپنی ذات کو ایذا کے قائم مقام ٹھہرایا اور یہ اللہ پاک کے اس قول کے قریب ہے:

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔[30]

اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں۔[31]

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔[32]

30...پ26، الفتح:10

31...پ22، الاحزاب:36

32...پ22، الاحزاب:57

اللہ پاک نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی بیعت کو اپنی بیعت اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی رضامندی کو اپنی رضا اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کو اذیت دینے کو اپنی ذات کو اذیت دینے کے قائم مقام ٹھہرایا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کا درجہ انتہائی اعلیٰ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

فکذا ھاھنا لما قال: «من آذی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة»

دل ذلك على أنه تعالى جعل إيذاء الولي قائما مقام إيذاء نفسه ويتأكد هذا بالخبر المشهور.

أنه تعالى يقول: «يوم القيامة مرضت فلم تعدني، استسقيتك فما سقيتني، استطعمتك فما أطعمتني فيقول يا رب كيف أفعل هذا وأنت رب العالمين! فيقول إن عبدي فلانا مرض فلم تعده أما علمت أنك لو عدته لوجدت ذلك عندي»

وكذا في السقي والإطعام فدلت هذه الأخبار على أن أولياء الله يبلغون إلى هذه الدرجات فأي بعد في أن يعطيه الله كسرة خبز أو شربة ماء أو يسخر له كلبا أو وردا.

اسی طرح یہاں پر ہے ۔جب سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اللہ پاک کا فرمان نقل فرمایا کہ جس نے میرے ولی کو اذیت دی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ پاک نے ولی کو اذیت دینے کو اپنی ذات کو اذیت دینے کے قائم مقام ٹھہرایا، اور یہ بات اس مشہور حدیث کے ساتھ مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم اللہ پاک کا فرمان نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ پاک فرمائے گا کہ میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ میں نے تم سے پانی طلب کیا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ میں نے تم سے کھانا

طلب کیا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! میں یہ کام کیسے کرتا، تو تو عالمین کا رب ہے۔ تو اللہ پاک فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ مریض ہوا تم نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو اس کا ثواب میرے پاس موجود پاتے۔ اسی طرح پانی پینے اور کھانا کھلانے کے بارے میں اللہ پاک نے فرمایا۔ تو یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ پاک کے ولی انتہائی درجات تک پہنچے ہوتے ہیں تو پھر کیا بعید ہے کہ اللہ پاک انہیں بیابان میں روٹی کا ٹکڑا یا پانی عطا فرمائے یا ان کے لیے کسی کتے یا شیر کو مسخر فرمادے۔[33]

شانِ اولیائے کرام سے متعلق چند روایات

عن أنس بن مالك، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم عن جبریل علیه السلام عن ربه تعالى وتقدس قال: «من أهان لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة، وما ترددت فی شیء أنا فاعله ما ترددت فی قبض نفس المؤمن؛ لأنه یکره الموت وأنا أکره مساءته ولا بد له منه، وإن من عبادی المؤمنین من یرید بابا من العلم فأکفه عنه لا یدخله عجب فیفسده لذلك، وما تقرب إلی عبدی بمثل أداء ما افترضته علیه، وما یزال عبدی یتنفل لی حتى أحبه، فإذا أحببته کنت له سمعا، وبصرا، ویدا، ومؤیدا، دعانی فأجبته، وسألنی فأعطیته، ونصح لی فنصحت له، وإن من عبادی المؤمنین من لا یصلح إیمانه إلا الغنى ولو أفقرته لأفسده ذلك، وإن من عبادی المؤمنین لمن لا یصلح إیمانه إلا الفقر، ولو بسطت له لأفسده ذلك، وإن من عبادی

33... تفسیر کبیر، 7/435

المؤمنين من لا يصلح له إيمانه إلا الصحة، ولو أسقمته لأفسده ذلك، وإن من عبادي المؤمنين من لا يصلح إيمانه إلا السقم، ولو أصححته لأفسده ذلك، إني أدبر أمر عبادي بعلمي، إني بقلوبهم عليم خبير.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریلِ امین علیہ السلام سے اور وہ اللہ پاک سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: جو میرے کسی ولی کی توہین کرے تو اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور میں جو کام کرنے والا ہوتا ہوں ان میں سے کسی میں اس طرح تردد نہیں کرتا جتنا مومن کی جان قبض کرنے میں کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی ناپسندیدگی کو ناپسند کرتا ہوں اور اسے موت آنا بھی ضروری ہے۔ میرے مومن بندوں میں سے کوئی وہ ہے جو علم کے کسی باب کو حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن میں اسے اس سے روک دیتا ہوں کہ کہیں اس میں عجب (خود پسندی) نہ پیدا ہو جو اسے خراب کر دے۔ میرا بندہ فرائض کی طرح اور کسی چیز سے میرے قریب نہیں ہوتا اور میرا بندہ میرے لئے نفل عبادت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں، اور جب میں اسے محبوب بناتا ہوں تو اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور تائید کرنے والا بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو قبول کرتا ہوں، مانگتا ہے تو عطا فرماتا ہوں، اور وہ میرے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے تو میں بھی اس کا بھلا کرتا ہوں۔ میرے مومن بندوں میں سے کوئی وہ ہوتا ہے جس کا ایمان مالداری سے ہی ٹھیک رہتا ہے، اگر میں اسے غریب بنادوں تو اس کا ایمان خراب ہو جائے گا، اور کوئی وہ ہوتا ہے جس کا ایمان غربت سے ہی درست رہتا ہے، اگر میں اسے مالدار کر دوں تو اس کا ایمان

خراب ہو جائے۔ کسی کا ایمان تندرستی سے ہی صحیح رہتا ہے، اگر میں اسے بیمار کر دوں تو ایمان خراب ہو جائے اور کسی کا ایمان بیماری سے ہی ٹھیک رہتا ہے، اسے صحت مند کر دوں تو ایمان بگڑ جائے۔ میں اپنے بندوں کے معاملات کی اپنے علم کے مطابق تدبیر فرماتا ہوں اور میں ان کے دلی حالات کو خوب جاننے والا ہوں۔[34]

عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: للہ ضنائن من عبادہ یغذوھم فی رحمتہ، ویحییھم فی عافیتہ، وإذا توفاھم توفاھم إلی جنتہ، أولئك الذین تمر علیھم الفتن کقطع اللیل المظلم وھم منھا فی عافیۃ.

حضرت سیّدُنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک کے کچھ خاص بندے ایسے ہیں جنہیں وہ اپنی رحمت سے رزق عطا فرماتا ہے۔ زندگی میں حفظ و اَمان اور بعدِ وصال جنت عطا فرماتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر فتنے رات کی تاریکی کی طرح چھا جاتے ہیں لیکن وہ ان سے عافیت میں رہتے ہیں۔"[35]

عن ثابت البنانی، قال: «إن للہ عزوجل عبادا یضن بھم فی الدنیا عن القتل والأمراض، یطیل أعمارھم، ویحسن أرزاقھم، ویمیتھم علی فرشھم، ویطبعھم بطبائع الشھداء».

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اللہ پاک دنیا میں انہیں قتل اور امراض سے محفوظ رکھتا ہے ان

34...موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/385، رقم:1

35...موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/385، رقم:2

کے عمریں لمبی ہوتی ہیں ان کا رزق اچھا ہوتا ہے اللہ پاک ان کو ان کے بستر پر موت عطا فرماتا ہے اور ان کو شہیدوں کی حقیقت عطا فرماتا ہے۔(36)

عن عمر، أنه دخل المسجد فإذا هو بمعاذ بن جبل يبكي عند قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: ما يبكيك يا معاذ؟ قال: حديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «إن اليسير من الرياء شرك، وإن الله يحب الأتقياء الأخفياء الأبرياء، الذين إن غابوا لم يفتقدوا، وإن حضروا لم يعرفوا، قلوبهم مصابيح الهدى، يخرجون من كل غبراء مظلمة».

سیّدُنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی شریف میں حضرت سیّدُنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے روضۂ انور کے پاس روتا ہوا دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کی: میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بے شک تھوڑی سے ریاکاری بھی شرک ہے، اللہ پاک کے محبوب ترین بندے وہ ہیں جو متقی و پرہیز گار اور ایسے گمنام ہیں کہ جب لوگوں میں موجود نہ ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے اور اگر موجود ہوں تو پہچانا نہ جائے۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ یہ لوگ ہر تاریک فتنے سے نکل جاتے ہیں۔(37)

عن عوف، عن الحسن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن من ملوك الآخرة من إن نطق لم ينصت له، وإن غاب لم يفتقد، وإن خطب لم يزوج، وإن استأذن على سلطان لم يؤذن له، لو يجعل نوره يوم القيامة على أهل الدنيا لملأهم نورا».

36... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/386، رقم: 5

37... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/387، رقم: 6

حضرت عوف رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: آخرت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں کہ اگر وہ بولیں تو کوئی ان کی خاطر خاموش نہ ہو اگر وہ غائب ہو جائیں تو کوئی انہیں تلاش نہ کرے اگر وہ نکاح کا پیغام دیں تو کوئی ان سے شادی نہ کرے اگر وہ کسی سلطان کے پاس جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت نہ دی جائے، اگر ان کا نور بروزِ قیامت اہلِ دنیا پر ڈالا گیا تو وہ ان کو نور سے بھر دیں گے۔(38)

عن سالم يعني ابن أبي الجعد، قال: يقول تبارك وتعالى: إن من أوليائي من لو سأل أحدكم درهما ما أعطاه أو دينارا ما أعطاه، ولو سأل الله الدنيا ما أعطاه إياها، ولو سأله الجنة أعطاه إياها، ولو أقسم على الله لأبره.

حضرت سالم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ پاک فرماتا ہے: میرے اولیاء میں سے کچھ وہ ہیں کہ اگر وہ کسی سے درہم مانگیں تو کوئی انہیں نہ دے یا دینار مانگیں تو کوئی انہیں نہ دے اور اگر وہ اللہ پاک سے دنیا مانگیں تو اللہ پاک انہیں دنیا نہیں دیتا لیکن اگر وہ اللہ پاک سے جنت کا سوال کریں تو ضرور انہیں عطا فرماتا ہے اور اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری فرماتا ہے۔(39)

عن محمد بن زياد، رفعه قال: «إن لله عبادا إذا كان يوم القيامة أجلسهم على منابر من نور، وألقى عليهم السبات حتى يفرغ من حساب الخلق».

حضرت محمد بن زیاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے

38... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/388، رقم: 9

39... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/389، رقم: 11

ارشاد فرمایا: اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ پاک نور کے ممبروں پر بٹھائے گا اور ان پر پردہ کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اللہ پاک مخلوق کا حساب کر چکے۔(40)

اخبرنا العلاء أبو محمد الثقفی، قال: سمعت أنس بن مالك، قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بتبوك، فطلعت الشمس بشعاع وضياء ونور لم نرها طلعت به فيما مضى، فأتى جبريل النبی صلى الله عليه وسلم فقال: «يا جبريل، مالی أرى الشمس اليوم بضياء ونور وشعاع لم أرها طلعت به فيما مضى؟» قال: إن ذاك معاوية الليثی مات بالمدينة اليوم، فبعث الله سبعين ألف ملك يصلون عليه، قال: «وفيم ذاك؟» قال: كان يكثر قل هو الله أحد فی الليل والنهار، فی ممشاه، وقيامه، وقعوده، فهل لك يا رسول الله أن أقبض لك الأرض فتصلی عليه؟ قال: «نعم»، فصلى عليه ثم رجع.

حضرت علاء ابو محمد ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ تبوک میں تھے۔ سورج ایسی روشنیوں اور انوار کے ساتھ طلوع ہوا کہ جن کے ساتھ طلوع ہوتے ہوئے ہم نے پہلے اسے نہ دیکھا۔ جبریلِ امین نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، پیارے آقا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! کیا بات ہے کہ میں آج سورج کو ایسی چمک اور نور کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ سابقہ دنوں میں ایسے نہیں دیکھا، تو جبریلِ امین علیہ السلام نے عرض کی: حضور! معاویہ لیثی آج مدینہ میں انتقال فرما

40... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/390، رقم: 13

گئے تو اللہ پاک نے 70 ہزار فرشتوں کو ان کا جنازہ پڑھنے کے لیے بھیجا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ رتبہ ان کو کس وجہ سے ملا؟ جبریلِ امین علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ رات دن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سورۂ اخلاص کی کثرت کیا کرتے تھے۔ یارسول اللہ! کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لیے زمین کو سمیٹ دوں تاکہ آپ بھی ان پر جنازہ پڑھ لیں؟ تو فرمایا کہ ہاں تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان پر جنازہ پڑھا پھر آپ لوٹ آئے۔(41)

سمعت مالك بن دينار، يسأل علي بن زيد وهو يبكي فقال: يا أبا الحسن، ”كم بلغك أن ولي الله يحبس على الصراط؟ قال: كقدر رجل في صلاة مكتوبة أتم ركوعها وسجودها، قال: وهل بلغك أن الصراط يتسع لأولياء الله؟ قال: نعم“.

میں نے مالک بن دینار رضی اللہ عنہ سے سنا وہ علی بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے تھے اس حال میں کہ وہ رو رہے تھے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے ابو الحسن! کیا آپ کو معلوم ہے کہ کتنی دیر اللہ پاک کے ولی کو پل صراط پر روکا جائے گا؟ فرمایا: اتنی دیر کہ ایک شخص مکمل رکوع اور مکمل سجود کے ساتھ فرض نماز پڑھ لے۔ پھر ان سے دوسرا سوال کیا کہ کیا آپ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ پل صراط اللہ کے ولیوں کے لیے وسیع ہو جائے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔(42)

عن زيد بن أسلم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن لله عبادا هم أهل المعافاة في الدنيا والآخرة».

41...موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/392، رقم: 21

42...موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/393، رقم: 22

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں عافیت دیے گئے ہیں۔ (43)

عن عطاء بن يسار، قال: قال موسى: يا رب، من أهلك الذين هم أهلك، والذي يأوون في ظل عرشك يوم القيامة؟ قال: هم التربة أيديهم، الطاهرة قلوبهم، الذين يتحابون بجلالي، الذين إذا ذكرت ذكروني، وإذا ذكروني ذكرتهم، يسبغون الوضوء عند المكاره، وينيبون إلى ذكري كما تنيب النسور إلى أوكارها، يكلفون بحبي كما يكلف الصبي بحب الناس، يغضبون لمحارمي إذا استحلت كما يغضب النمر إذا حرب.

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے: اے میرے رب! وہ کون لوگ ہیں جو تیرے اہل ہیں اور وہ لوگ کہ جو تیرے عرش کے سائے میں بروزِ قیامت جگہ پائیں گے؟ اللہ پاک نے فرمایا: وہ لوگ کہ جن کے ہاتھ تو مٹی سے آلودہ ہیں لیکن ان کے دل پاک ہیں۔ جو میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں اور جب وہ میرا ذکر کرتے ہیں تو میں ان کا چرچا کرتا ہوں۔ دشواری کے وقت کامل وضو کرتے ہیں، میرے ذکر کی طرف اس طرح آتے ہیں جس طرح پرندہ اپنے گھونسلے کی طرف آتا ہے۔ میری محبت کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں جس طرح بچہ لوگوں کی محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے، میرے محارم کو جب توڑا جائے تو ایسے غضبناک ہوتے ہیں جیسے چیتا لڑائی کے وقت ہوتا ہے۔ (44)

43... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/393، رقم: 24
44... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/396، رقم: 37

عن أنس، قال: مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی نفر من أصحابہ فإذا صبی علی ظھر الطریق، فخشیت أمہ أن یوطأ الصبی، فسمعت تقول: ابنی ابنی، وسعت فحملتہ، فقال القوم: یا رسول اللہ، ما کانت لتلقی ابنھا فی النار، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: «واللہ لا یلقی حبیبہ فی النار».

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اپنے صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ گزرے تو ایک بچہ راستے پر تھا۔ اس کی ماں اس بات سے ڈری کہ بچے کو روند لیا جائے گا۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہی تھی: میرا بیٹا! میرا بیٹا! اور اس نے دوڑ کر بچے کو اٹھالیا۔ کچھ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں تو نہیں ڈالے گی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک بھی اپنے پیاروں کو جہنم میں نہیں ڈالے گا۔[45]

عن سعید بن جبیر، قال: أقحط الناس فی زمن ملک من ملوک بنی إسرائیل ثلاث سنین، فقال الملک: لیرسلن السماء علینا، أو لنؤذینہ فقال لہ جلساؤہ: کیف تقدر علی أن تؤذیہ أو تغیظہ وھو فی السماء؟ قال: أقتل أولیاءہ من أھل الأرض، فیکون ذلک أذی لہ قال: فأرسل السماء علیھم.

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے زمانے میں تین سال تک لوگ قحط کا شکار رہے۔ بادشاہ نے کہا: یا تو (اللہ پاک) ہم پر آسمان سے بارش برسائے یا پھر میں اسے اذیت دوں۔ اس کے ہم نشینوں نے کہا کہ آپ اس ذات کو کیسے اذیت دے سکتے ہیں یا غضب ناک کر سکتے

45... موسوعۃ ابن ابی الدنیا، 2/397، رقم: 41

ہیں حالا کہ وہ آسمان میں ہے (یہ انہوں نے اپنی عقل کے مطابق کہا ورنہ اللہ پاک جگہ، مکان سے پاک ہے، ہماری شہ رگ سے بھی نزدیک ہے)۔ بادشاہ نے جواب دیا: میں زمین پر اس کے ولیوں کو قتل کروں گا تو یہ اس کے لئے اذیت ناک ہو گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اللہ پاک نے ان پر بارش نازل فرمادی۔[46]

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إن من عباد الله لأناسا ما هم بأنبياء ولا شهداء يغبطهم الأنبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله عز وجل». فقال رجل: من هم وما أعمالهم؟ لعلنا نحبهم. قال: «قوم يتحابون بروح الله عز وجل من غير أرحام بينهم ولا أموال يتعاطونها بينهم. والله إن وجوههم لنور وإنهم لعلى منابر من نور لا يخافون إذا خاف الناس ولا يحزنون إذا حزن الناس». ثم قرأ ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (۶۲)﴾

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ پاک کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ نہ وہ نبی ہیں، نہ شہید لیکن قیامت کے دن اللہ پاک کی طرف سے ان کو ملنے والے رتبے پر انبیاء وشُہَدا بھی رشک کریں گے۔" ایک شخص نے عرض کی: "ہمیں ان کے اَعمال کے بارے میں بتائیں تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں!" آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی رشتہ داری اور لین دین کے محض اللہ پاک کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں گے۔ اللہ پاک کی قسم! ان کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ گر ہوں گے۔ جب لوگ خوف میں مبتلا

46... شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی، 2/1311، رقم: 50

ہوں گے تو انہیں خوف نہ ہو گا اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہ ہو گا پھر آپ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(۶۲) ﴾[47] **ترجمۂ کنزالایمان:** سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔"

عن عبد الله بن مسعود أنه قرأ في أذن مبتلى، فأفاق. فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ما قرأت في أذنه؟ قال: قرأت أفحسبتم أنما خلقناكم عبثا» حتى ختم السورة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لو أن رجلا موقنا قرأها على جبل لزال».

حضرت سیّدُنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے تکلیف میں مبتلا ایک شخص کے کان میں کچھ پڑھا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: "تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا ہے؟" انہوں نے عرض کی: میں نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت کی ہیں: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ(۱۱۵) فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ(۱۱۶) وَ مَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ(۱۱۷) وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ(۱۱۸)﴾

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ کوئی معبود نہیں سوا اس کے

47 ...پ 11، یونس: 62، سنن ابی داؤد، حدیث: 3527، ص 1485۔ التمہید لابن عبد البر، تحت الحدیث: 460، 7/190، حلیۃ الاولیاء، 1/35، رقم: 4

عزت والے عرش کا مالک اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہے بے شک کافروں کا چھٹکارا نہیں اور تم عرض کرو اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے برتر رحم کرنے والا۔ (48)

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص ان آیات کو یقین کے ساتھ پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ (49)

عن حذیفة بن الیمان. قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «یا حذیفة. إن فی کل طائفة من أمتی قوما شعثا غبرا، إیای یریدون، وإیای یتبعون، وکتاب الله یقیمون، أولئك منی وأنا منهم وإن لم یرونی».

حضرت سیِّدُنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبیِ پاک، صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے حذیفہ! میری اُمت کے ہر گروہ میں سے چند لوگ ایسے ہوں گے جو پراگندہ حال اور گرد آلود ہوں گے وہ میری اتباع اور میرا ہی ارادہ کریں گے اور اَحکامِ خداوندی کی پابندی کریں گے وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اگرچہ انہوں نے مجھے نہ دیکھا ہو۔ (50)

عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: «من سأل عنی - أو سره أن ینظر إلی - فلینظر إلی أشعث شاحب مشمر، لم یضع لبنة

48...پ18، المؤمنون: 115 تا 118

49...المسند لابی یعلی، 4/345 حدیث: 5023، حلیۃ الاولیاء، 1/38، رقم: 11

50...الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی، 5/395 حدیث: 8537، حلیۃ الاولیاء، 1/40، رقم: 17

على لبنة، ولا قصبة على قصبة، رفع له علم فشمر إليه، اليوم المضمار وغدا السباق، والغاية الجنة أو النار».

اُم المؤمنین حضرت سیّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبیِ پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص میرے متعلق سوال کرے یا مجھے دیکھنا چاہے تو وہ پراگندہ حال، لاغر اور محنتی شخص کو دیکھ لے جس نے نہ تو اینٹ پر اینٹ رکھی ہو اور نہ ہی بانس پر بانس رکھا (یعنی کوئی عمارت نہ بنائی) ہو جب اس کے لئے جہاد کا عَلَم (جھنڈا) بلند کیا جائے تو وہ اس کی طرف چلا جائے۔ آج تیاری کا دن ہے اور کل سبقت لے جانے کا دن اور انتہاء جنت ہے یا جہنم۔"[51]

عن وهب بن منبه. قال: قال الحواريون يا عيسى من أولياء الله الذين {لا خوف عليهم ولا هم يحزنون}؟ قال عيسى عليه السلام: الذين نظروا إلى باطن الدنيا حين نظر الناس إلى ظاهرها، والذين نظروا إلى آجل الدنيا حين نظر الناس إلى عاجلها، فأماتوا منها ما يخشون أن يشينهم وتركوا ما علموا أن سيتركهم، فصار استكثارهم منها استقلالا، وذكرهم إياها فواتا، وفرحهم بما أصابوا منها حزنا فما عارضهم من نيلها رفضوه، وما عارضهم من رفعتها بغير الحق وضعوه، وخلقت الدنيا عندهم فليسوا يجددونها، وخربت بيوتهم فليسوا يعمرونها، وماتت في صدورهم فليسوا يحيونها بعد موتها، بل يهدمونها فيبنون بها آخرتهم، ويبيعونها فيشترون بها ما يبقى لهم، ورفضوها فكانوا فيها هم الفرحين، ونظروا إلى أهلها صرعى قد حلت بهم المثلات. وأحيوا ذكر الموت، وأماتوا ذكر الحياة. يحبون الله عزوجل، ويحبون ذكره،

51...المعجم الاوسط، 2/266، حدیث: 3241، حلیۃ الاولیاء، 1/41، رقم: 18

ویستضیئون بنورہ، ویضیئون بہ. لھم خبرعجیب، وعندھم الخبرالعجیب، بھم قام الکتاب وبہ قاموا، وبھم نطق الکتاب وبہ نطقوا، وبھم علم الکتاب وبہ عملوا، ولیسوا یرون نائلا مع مانالوا، ولا أمانا دون مایرجون، ولا خوفا دون مایحذرون.

حضرت سیّدُناوَہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے حواریوں (یعنی ساتھیوں) نے عرض کی: ''اے عیسیٰ علیہ السلام! اللہ پاک کے اولیا کون لوگ ہیں جن پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ کچھ غم؟'' آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کے باطن کو دیکھا جب اور لوگوں نے دنیا کے ظاہر کو دیکھا۔ اور دنیا کے انجام کو دیکھا جب اور لوگوں نے دنیا کی رنگینیوں کو دیکھا۔ انہوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جن کے بارے میں اندیشہ تھا کہ وہ عیب دار کریں گی اور ان کو بھی ترک کر دیا جن کے متعلق یقین تھا کہ وہ بہت جلد ان سے چھوٹ جائیں گی۔ انہیں دنیا کی زیادتی کی خواہش نہیں ہوتی۔ انہوں نے دنیا کا ذکر کیا تو اس کا فانی ہونا بتایا۔ دنیا کا غم ملا تو خوش ہوئے۔ دنیا کی جو چیز ان کے سامنے آئی اسے ٹھکرا دیا۔ دنیاوی ناحق رفعت و عظمت کو حقیر جانا۔ ان کے نزدیک دنیا پرانی ہو چکی ہے اب وہ اس کی تجدید نہیں چاہتے۔ ان کے گھر ویران ہو گئے لیکن انہوں نے آباد نہ کئے۔ خواہشوں نے ان کے سینوں میں گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیا لیکن انہوں نے دوبارہ انہیں بیدار نہ کیا بلکہ دنیاوی خواہشات کو تہس نہس کر کے اس کے بدلے اپنی آخرت کی تیاری کی اور دنیا کو بیچ کر اس کے عوض وہ چیز (یعنی آخرت) خریدی جو ان کے لئے ہمیشہ رہے گی۔ انہوں نے خوشی خوشی دنیا کو ٹھکرا دیا۔ انہوں نے دنیاداروں کو دنیا پر اوندھے منہ گرے دیکھا جس کی وجہ سے ان پر مصیبتیں نازل ہوئیں تو تذکرۂ موت

کو جلا بخشی اور تذکرۂ حیات کو مات دی۔ وہ اللہ پاک سے محبت کرتے، اس کے ذکر کو پسند کرتے اور اس کے نور سے روشن ہو کر دنیا کو روشن کرتے ہیں۔ انہیں حیرت انگیز خیر و بھلائی عطا کی گئی۔ تعجب خیز علم عطا کیا گیا۔ ان کی بدولت کتاب اللہ کی بقا ہے تو کتاب اللہ کے سبب ان کی بقا۔ کتاب اللہ نے ان کا ذکر کیا تو انہوں نے کتاب اللہ کو عام کیا۔ انہیں سے کتاب اللہ کو سیکھا جاتا ہے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ انہیں جو عطا کر دیا جائے اسی پر اِکتفا کرتے اور مزید عطیے کی خواہش نہیں کرتے ۔وہ کسی کی امان پر بھروسا نہیں کرتے بلکہ اللہ پاک سے امید رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے۔ (52)

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال: لما بعث اللہ عزوجل موسی وھارون علیھما السلام إلی فرعون قال: لا یغرنکما لباسه الذی ألبسته، فان ناصیته بیدی فلا ینطق ولا یطرف إلا باذنی، ولا یغرنکما ما متع به من زھرة الدنیا وزینة المترفین فلو شئت أن أزینکما من زینة الدنیا بشیء یعرف فرعون أن قدرته تعجز عن ذلك لفعلت، ولیس ذلك لھوانکما علی ولکنی ألبستکما نصیبکما من الکرامة علی أن لا تنقصکما الدنیا شیئا، وإنی لأذود أولیائی عن الدنیا کما یذود الراعی إبله عن مبارك العرة، وإنی لأجنبھم زھرتھا کما یجنب الراعی إبله عن مراتع الھلکة، أرید أن أنور بذلك مراتبھم وأطھر بذلك قلوبھم، فی سیماھم الذی یعرفون به، وأمرھم الذی یفتخرون به. واعلم أنه من أخاف لی ولیا فقد بارزنی بالعداوة، وأنا الثائر لأولیائی یوم القیامة.

52... موسوعۃ لابن ابی الدنیا، 2/ 391، حدیث: 18، حلیۃ الاولیاء، 1/ 41، رقم: 19

حضرت سیّدُنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت سیّدُنا موسیٰ و حضرت سیّدُنا ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا: "جو لباس میں نے اسے پہنایا ہے وہ تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ اس کی پیشانی میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ میری اجازت کے بغیر نہ بول سکتا ہے اور نہ ہی پلک جھپک سکتا ہے۔ اور تمہیں اس کی دنیاوی ناجائز زیب و زینت بھی دھوکے میں مبتلا نہ کر دے اس لئے کہ اگر میں دنیاوی زینت کے ساتھ تمہیں مزین کرنا چاہتا تو فرعون جان لیتا کہ وہ ایسی زینت اختیار کرنے سے عاجز ہے اور تمہاری یہ حالت اس وجہ سے نہیں کہ تمہاری میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں لیکن میں تمہیں بزرگی کا لباس پہنانا چاہتا ہوں جو تمہارا نصیب ہے تاکہ دنیا تمہارے آخرت کے حصہ میں کچھ کمی نہ کر سکے۔ میں اپنے اولیا کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہوں جس طرح چرواہا اپنے تندرست اونٹوں کو خارشی اونٹوں کے باڑے میں جانے سے بچاتا ہے اور انہیں دنیا کی تروتازگی سے اسی طرح دور رکھتا ہوں جس طرح چرواہا اپنے اونٹوں کو ہلاک کر دینے والی چراگاہ سے دور رکھتا ہے اور میں اس کے ذریعے ان کے مراتب کو منور کرنے (بڑھانے) اور ان کے دلوں کو دنیا سے پاک رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ انہی نشانیوں کے ذریعے وہ پہچانے جاتے اور اسی چیز کے سبب فخر کرتے ہیں۔ اے موسیٰ جان لو! جس نے میرے کسی ولی کو ڈرایا اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کیا اور بروزِ قیامت میں اپنے اولیا کا انتقام لینے والا ہوں۔"[53]

53...الزھد للامام احمد بن حنبل، ص99، حدیث:341، حلیۃ الاولیاء، 1/42، رقم:20

حدثنا عبد الصمد بن معقل قال سمعت وهب بن منبه يقول: لما بعث الله تعالى موسى وأخاه هارون عليهما السلام إلى فرعون. قال: لا يعجبنكما زينته ولا ما متع به، ولا تمدا أعينكما إلى ذلك، فإنها زهرة الحياة الدنيا وزينة المترفين فإنى لو شئت أن أزينكما من الدنيا بزينة ليعلم فرعون حين ينظر إليها أن مقدرته تعجز عن مثل ما أوتيتما لفعلت، ولكنى أرغب بكما عن ذلك وأزويه عنكما، وكذلك أفعل بأوليائى، وقديما ما خرت لهم فى ذلك، فانى لأذودهم عن نعيمها ورخائها كما يذود الراعى الشفيق غنمه عن مراتع الهلكة، وإنى لأجنبهم سلوتها وعيشتها كما يجنب الراعى الشفيق إبله عن مبارك العرة. وما ذلك لهوانهم على ولكن ليستكملوا نصيبهم من كرامتى سالما موفورا لم تكلمه الدنيا ولم يطغه الهوى. واعلم أنه لم يتزين العباد بزينة أبلغ فيما عندى من الزهد فى الدنيا، فإنها زينة المتقين عليهم منها لباس يعرفون به من السكينة والخشوع، سيماهم فى وجوههم من أثر السجود، أولئك هم أوليائى حقا حقا، فإذا لقيتهم فاخفض لهم جناحك وذلل لهم قلبك ولسانك. واعلم أنه من أهان لى وليا أو أخافه فقد بارزنى بالمحاربة وبادأنى، وعرض لى نفسه ودعانى إليها، وأنا أسرع شىء إلى نصرة أوليائى، أفيظن الذى يحاربنى أن يقوم لى؟ أو يظن الذى يعادينى أن يعجزنى؟ أو يظن الذى يبارزنى أن يسبقنى أو يفوتنى؟ فكيف وأنا الثائر لهم فى الدنيا والآخرة لا أكل نصرتهم إلى غيرى. زاد اسماعيل ابن عيسى فى حديثه: فاعلم يا موسى أن أوليائى الذين أشعروا قلوبهم خوفى فيظهر على أجسادهم فى لباسهم وجهدهم الذى يفوزون به يوم القيامة، وأملهم الذى به يذكرون، وسيماهم الذى به يعرفون، فإذا لقيتهم فذلل لهم نفسك.

حضرت سیِّدُنا عبد الصَّمَد بن معقل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: جب اللہ پاک نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت سیِّدُنا ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''تمہیں اس کی دنیاوی زیب و زینت اور لطف اندوز ہونے کی چیزیں تعجب میں نہ ڈالیں اور نہ تم ان چیزوں کی طرف توجہ دینا کیونکہ وہ دنیا داروں اور سرمایہ داروں کی زینت ہے۔ اگر میں دنیاوی زینت کے ساتھ تمہیں مزین کرنا چاہتا تو فرعون اسے دیکھ کر جان لیتا کہ اس قسم کی زینت اس کے بس میں نہیں تو میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں تمہیں دنیا سے بچانا اور دنیا کو تم سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں اپنے ولیوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں اور پہلے بھی میں نے ان کے لیے اسے پسند نہیں کیا بلکہ انہیں دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے اس طرح بچاتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاک کر دینے والی چراگاہ سے بچاتا ہے اور میں انہیں دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت سے اس طرح دور رکھتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنے اونٹوں کو خارش زدہ اونٹوں سے دور رکھتا ہے اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کی میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں بلکہ اس وجہ سے کرتا ہوں کہ وہ میری کرامت سے پورا پورا حصہ وصول کریں اور اس میں نہ دنیا کوئی کمی لا سکے اور نہ ہی خواہشات کوئی کمی کر سکے۔ اور جان لو! بندوں کے لئے میرے نزدیک ترکِ دنیا سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں کیونکہ یہ (ترکِ دُنیا) متقین کی زینت ہے اور ان پر ایسا لباس ہوتا ہے جس کے ساتھ ان کا سکون و خشوع پہچانا جاتا ہے۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔ یہی میرے سچے دوست ہیں۔ جب تم ان سے ملو تو ان کے لئے عاجزی اختیار کرو اور دل و زبان

کو ان کے تابع بنا دو۔

اور جان لو! جس نے میرے کسی دوست کی اہانت کی یا اسے خوفزدہ کیا اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کیا، میرے ساتھ دشمنی کی، اپنے آپ کو میرے مقابل پیش کیا اور مجھے لڑائی کی طرف بلایا۔ میں اپنے دوستوں کی مدد کرنے میں جلدی کرتا ہوں تو جس نے مجھے جنگ کے لئے بلایا، کیا اس کا یہ خیال ہے کہ وہ میرے سامنے ٹھہر سکے گا؟ جس نے مجھ سے دشمنی کی کیا وہ سمجھتا ہے کہ مجھے عاجز کر دے گا؟ جس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کیا وہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے بڑھ جائے گا یا بچ جائے گا؟ یہ کیونکر ممکن ہو گا جبکہ میں اپنے دوستوں کا دنیا و آخرت میں خود انتقام لیتا ہوں۔ ان کی مدد کسی کے سپرد نہیں کرتا"۔

حضرت سیّدُنا اسماعیل بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث میں اتنا زائد ہے کہ "اے موسیٰ! جان لو! بے شک میرے اولیاء وہ ہیں جن کے دل میرے خوف سے کانپتے ہیں اور وہ خوف ان کے لباس میں اور جسموں پر عیاں ہے۔ وہ ایسی کوشش کرتے ہیں جس کے سبب وہ قیامت کے دن کامیاب ہوں۔ وہ لوگ اپنی موت کو یاد رکھتے اور اپنی نشانیوں سے پہچانے جاتے ہیں پس جب تم ان سے ملو تو ان کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔"(54)

عن عائشة رضى الله تعالى عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم: «إن موسى عليه السلام قال: يا رب أخبرنى بأكرم خلقك عليك. قال: الذى يسرع إلى هواى إسراع النسر إلى هواه، والذى يكلف بعبادى الصالحين كما يكلف الصبى بالناس،

54 ...موسوعۃ لابن ابی الدنیا، 2/423، حدیث:155، الزھد للامام احمد بن حنبل، ص99، حدیث:342، حلیۃ الاولیاء، 1/42، رقم:21

والذی یغضب إذا انتهکت محارمی غضب النمر لنفسه، فإن النمر إذا غضب لم یبال أقل الناس أم کثروا».

اُم المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ پاک کے مَحبوب صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کی: ”اے میرے رب! مخلوق میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟“ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ”وہ شخص جو میری رضا حاصل کرنے کے لئے اس طرح تیزی کرتا ہے جس طرح عقاب اپنی خواہش کی طرف تیزی کرتا ہے۔ جو میرے نیک بندوں سے اس طرح محبت کرتا ہے جس طرح بچہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور وہ جو میرے اَحکامات کی خِلاف ورزی پر اس طرح غضبناک ہوتا ہے جس طرح چیتا اپنے لئے غضبناک ہوتا ہے کہ جب چیتا غصہ میں آتا ہے تو وہ لوگوں کے قلیل و کثیر ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔“(55)

عبد الصمدِ بن معقلٍ: أنه سمعَ وهبًا قال: قرأتُ فی کتابٍ آخرَ: أن الله تبارك وتعالی یقول: کفانی للعبد مالاً، إذا کان عبدی فی طاعتی، أعطیته من قبل أن یسألنی، وأستجیبُ له من قبل أن یدعونی، فإنی أعلم بحاجته التی ترفق به من نفسه.

حضرت عبد الصمد بن معقل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میں نے ایک اور کتاب میں پڑھا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ میرے بندے کو مال کے طور پر میں ہی کافی ہوں جب میرا بندہ میری اطاعت میں ہوتا ہے تو میں اس کو سوال کرنے سے پہلے عطا کر دیتا ہوں اور دعا کرنے سے پہلے اس

55...المعجم الاوسط، 1/498، حدیث: 1839، حلیۃ الاولیاء، 1/44، رقم: 23

کی دعائیں قبول کرلیتا ہوں میں اس کی ان حاجتوں کو جانتا ہوں جس کے ذریعے وہ اپنے نفس کو آرام دے۔ (56)

وبه إلى الإمامِ أحمد: ثنا إسماعيل: ثنا عبد الصمدِ بن معقلٍ: أنه سمع وهبَ بن منبهٍ قال: قرأتُ في كتابٍ آخرَ: أن الله عزوجل يقول: بعزتي! إنه من اعتصم بي، فإن كادَتْه السماوات بمن فيهن، والأرضُ بمن فيهن، فإني أجعلُ له من بين ذلك مخرجًا، ومن لم يعتصم بي، فإني أخسِفُ به من تحت قدميه الأرض، فأجعلُه في الهواء، ثم أَكِلُه إلى نفسِه.

حضرت عبد الصمد بن معقل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انہوں نے وہب بن منبہ سے سنا کہ میں نے ایک اور کتاب میں پڑھا اللہ پاک فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! جس نے میری بارگاہ کو مضبوطی سے پکڑا اگر تمام آسمان اپنے مکینوں کے ساتھ اور زمین اپنے باشندوں کے ساتھ اس کے قریب آجائیں تو میں اس کے لیے اِن کے درمیان سے راستہ بنادوں گا اور جو میری بارگاہ کو مضبوطی سے نہ پکڑے تو میں اس کے قدموں کے نیچے سے اسے زمین میں دھنسادوں گا اور میں اسے خواہش کی پیروی کرنے والوں میں سے کردوں گا پھر میں اسے اس کے نفس کے حوالے کردوں گا۔ (57)

56...حلیۃ الاولیاء، 4/29، رقم: 4651

57... تفسیر ابن ابی حاتم، 9/2910، رقم: 16520

سید کامران عطاری مدنی
کے چند مزید رسالے

1 63 حکایات و واقعات 2 تہجد گزاروں کے واقعات 3 ارشاداتِ اعلیٰ حضرت

4 تفسیر صراط الجنان سے ماخوذ حکایات و واقعات

5 تفسیر صراط الجنان سے ماخوذ فتاوی رضویہ کی عبارات

6 آیتِ درود اور شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

7 لقمۂ حرام کی تباہ کاریاں 8 حضرت حاتم اصم کے واقعات 9 فضائلِ درودِ پاک

10 عقلمندوں کے لیے نصیحتوں کے مدنی پھول 11 حکایاتِ احیاء العلوم

12 کثرت سے مطالعہ کرنے والے بزرگوں کے واقعات

13 علمِ غیبِ مصطفیٰ قرآنی آیات و تفاسیر کی روشنی میں

14 آیاتِ احکام ماخوذ از تفسیر صراط الجنان 15 حکایاتِ روح البیان

16 حیاتِ انبیاء پر عمدہ دلائل 17 سود کی تباہ کاریاں

18 امام اعظم کی ذہانت کے 200 واقعات 19 صفر کا مہینہ ہرگز منحوس نہیں

20 اخلاقِ مصطفیٰ قرآن کی روشنی میں 21 حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی 111 نصیحتیں

22 شانِ ولی 23 زبان کی آفات 24 خدمتِ والدین کا صلہ 25 توسل پر عمدہ دلائل

26 عدمِ سایۂ مصطفیٰ پر عمدہ دلائل 27 قیلولہ اور سائنس 28 حفظِ قرآن کے فضائل

29 عاشقانِ رسول کی قبریں 30 امام احمد بن حنبل اور معمولاتِ اہلسنت

31 ساری کثرت پاتے یہ ہیں 32 رشوت کی تباہ کاریاں 33 احادیثِ قدسیہ کے انوار

34 تخریج احادیثِ فیضانِ سنّت 35 نابالغ بچوں کے احکام و مسائل

36 شانِ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ 37 مختلف حکایات و واقعات

ان شاء اللہ عنقریب آنے والے رسالوں کے نام

1 حدیثِ غدیر اور حدیثِ منزلت کی شرعی حیثیت

2 مسئلہ سماعِ موتیٰ پر علمی و تحقیقی گفتگو

3 تلخیص رسالہ حیات الموات فی بیان سماع الاموات

4 تلخیص رسالہ الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلا

5 تلخیص رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین

مکتبہ افکارِ رضا

MAKTABA AFKAR-E- RAZA

 +923155322470

 /FIQHIMASAIL2526  /SYEDKAMRAN786

 +923169168614  /IAMKAMRANMADANI